

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222024

UNIVERSAL
LIBRARY

سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اُردو (ہند) نمبر ۱۳۸

حکایات رومی

دوسرا حصہ

(ماخوذ از دفتر چہارم تا ششم مثنوی شریف)

ترجمہ از

مرزا نظام شاہ صاحب لیب

بہ نظر ثانی

مولوی سید ہاشمی صاحب (فرید آبادی)

شایع کردہ

انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی

۱۹۲۰ء

فانصاحب عبداللطيف نے "الطغی پریس" دہلی میں چھاپا!

اور

میجر انجمن ترقی اُردو (مہند) نے دہلی سے شایع کیا

فہرست مضامین حکایات رومی حصہ دوم

دفتر چہارم ثنوی شریف

نمبر شمار	نمبر صفحہ	نمبر شمار	نمبر صفحہ
۱	۱	۱۳	۱۵
۲	۲	۱۳	۱۶
۳	۳	۱۵	۱۴
۴	۴	۱۶	۱۸
۵	۵	۱۴	۱۹
۶	۶	۱۸	۲۱
۷	۷	۱۹	۲۲
۸	۸	۲۰	۲۵
۹	۹	۲۱	۳۳
۱۰	۱۱		
۱۱	۱۲		
۱۲	۱۳		

ایک عورت کا حضرت علیؑ سے مدد طلب کرنا

شاہی مصاحب کی اپنے سفارشی سے رنجیدہ ہونا

دفتر پنجم ثنوی شریف

عرب کا اپنے گتے کی جانگنی پر وادیا مچانا

مگر کھانے کو ایک نوالہ بھی نہ دینا

ایک حکیم کا مور پر اعتراض کرنا جو اپنے پر

آپ اکھیڑ رہا تھا

ایک شخص کا ہرن کو گدھوں کے اصطلب

میں بند کر دینا

ایک صاحب دل کا خواب میں گتیا کے

پیٹ میں سے بچوں کی آواز سنا

ایاز کا اپنے پوستین کے لیے حجرہ تمیر کرنا

اور حاسدوں کی بدگمانی

لوہڑی کا گدھے کو دو بار شیر کے

آگے لے جانا

ایک سقے کے گدھے کا گھوڑوں کا سازو

سامان دیکھ کر حرص کرنا

ایک واعظ کا جُروں کے لیے دُعا کرنا

ایک چمڑا رگنے والے کا عطا روں کے بازار

میں بیہوش ہونا

ایک یہودی کا علیؑ سے سکا برہ اور ان

کا جواب

حضرت عثمان کا منبر پر چپ چاپ بیٹھنا

ایک مٹی کھاؤ کا ترازو کے پانسگ کا

ڈھیلا کھا جانا

حضرت ابراہیم ادھم کے تحت وتاج

ترک کرنے کا سبب

پیا سے کا پانی میں اخروٹ پھینکنا

بادشاہ کا ایک شاعر کو انعام دینا اور

وزیر کی دراندازی

بادشاہ کا روزیہ کم کرنا اور غلام کا عرض

ایک فقیر کا دستار کے نیچے دھجیاں بھرنے

ایک شخص کا اپنے حال ظاہر کے خلا ہوا ہونا

چرٹی مار کو ایک پرندے کی نصیحت

۱۔ ایک واعظ کا بُروں کے لیے دُعا کرنا

ایک واعظ جب وعظ کے لیے چوکی پر بیٹھا تو مگراہوں کے لیے دعا کیا کرتا تھا۔ وہ ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعا کرتا تھا کہ یا اللہ ظالموں اور بدکاروں پر رحمت نازل فرما۔ مسخرین کرنے والوں، بدفطرتوں، سب سیاہ دلوں اور بت پرستوں تک، غرض سوائے پلیدوں کے اور کسی کے لیے دعا نہ کرتا تھا اور پاک بندوں کا دعائیں ذکر ہی نہ لاتا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ مولوی صاحب! یہ کیا دستور ہے۔ مگراہوں کو دعا دینا کوئی بخشش و کرم نہیں۔ واعظ نے کہا مجھے ان سے بہت فائدہ ہوا اور اس لیے ان کی دعا اپنے اوپر لازم کر لی۔ انھوں نے اس قدر پلیدی پھیلائی اور ظلم زیادتی کی کہ میرا نفس پریشان ہو گیا۔ برائیاں ترک کر کے بھلائی اختیار کر لی۔ میں جب کبھی دنیا کی طرف رُخ کرتا تھا تو ان ہی مفسدوں اور ظالموں سے زخم اور چوٹیں کھاتا تھا حتیٰ کہ دنیا کی ہوس کم ہو گئی اور میں راہِ راست پر آ گیا۔ اے عزیز! انصاف سے دیکھے تو ایسا ہر دشمن تیرے حق میں دوا ہے کہ تو اس سے بھاگ کر تنہائی اختیار کرتا ہے اور خدا کے فضل و کرم کا طالب ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے وہ دوست دراصل تیرے دشمن ہیں جو تجھ کو حضورِ الہی سے دُور کر کے اپنی محبت اور ملاقات میں مشغول کر لیتے ہیں۔

۲۔ ایک چمڑا رنگنے والے کا عطّاروں کے بازار میں بے ہوش ہونا

ایک چمڑا رنگنے والا اتفاق سے عطّاروں کے بازار میں پہنچا تو یکایک گر کر بے ہوش ہو گیا اور ہاتھ پاؤں ٹیرھے ہو گئے۔ عطّاروں کی خوشبو جو اس کے دماغ میں گھسی تو جیکرا کر گر پڑا۔ اسی وقت لوگ جمع ہو گئے۔ کسی نے اُس کے دل پر ہاتھ رکھا۔ اور کسی نے عرقِ گلاب لاکر چھڑکا۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ اسی خوشبو نے یہ آفت ڈھائی ہے کوئی سر اور بتھیلیوں کو سہلانا اور سوندھی مٹی بھگو کر سنگھاتا۔ ایک لوبان کی دھونی دیتا تو دوسرا اُس کے کپڑے اُتار کر ہوا دیتا تھا۔ آخر جب کسی تدبیر سے ہوش میں نہ آیا تو دوڑ کر اُس کے بھائی بندوں کو خبر سہی کی کہ تمہاری قوم کا آدمی فلاں بازار میں بے ہوش پڑا ہے، کچھ نہیں معلوم کہ یہ مرگی کا دورہ اس پر کیوں کر پڑ گیا یا کیا بات ہوئی کہ وہ سب بازار چلتے چلتے اس طرح گر پڑا۔ اس چمڑا رنگنے والے کا ایک بھائی بڑا فطرتی اور ہوشیار تھا۔ یہ قصہ سنتے ہی دوڑا آیا۔ تھوڑا سا کتے کا گو آستین میں چھپاتے بیٹیر کو چیر کر رو تاپیتا اس تک پہنچا۔ لوگوں سے کہا ذرا ٹھہرو مجھے معلوم ہے کہ یہ بیماری کیونکر پیدا ہوئی اور سبب معلوم ہو جانے پر بیماری کا دؤر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اصل میں وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کے دماغ کی ایک ایک رگ میں بدبو تہہ برتہ بسی ہوئی ہے۔ وہ مزدوری کی خاطر صبح سے شام تک گندگیوں اور بدبوؤں میں چمڑے رنگتا رہتا ہے۔ چونکہ سالہا سال سے گندگی میں بسر کرتا ہے اس لیے بہت ممکن ہے کہ عطر کی خوشبو ہی نے اس کو بے ہوش کر دیا ہو۔ غرض اس جوان نے سب کو ہٹا دیا تاکہ اس کے علاج کو کوئی دیکھنے نہ پائے جیسے کوئی بھیدی کھس پھس کرتا ہے اس طرح منہ اس کے کان کے پاس لے گیا اور کتے کی غلاظت اس کی ناک پر رکھ دی۔ جوں ہی یہ بدبو بے ہوش کے دماغ میں پہنچی اس کا

سڑا ہوا دماغ بدبو سے از سر نو تازہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ مُردے میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ ہوشیار ہو گیا؛
دوستو! جس کو مُشکِ نصیحت سے فائدہ نہ ہو سمجھ لو کہ وہ گناہوں کی بوسونگھنے کا عادی
ہو گیا ہے؛

۳۔ ایک یہودی کا علیؑ سے مکابروہ اور اُن کا جواب

ایک دن ایک مدعی نے جو خدا کی عظمت سے آگاہ نہ تھا حضرت مرفضیؑ سے کہا کہ تم محل کے کوٹھے پر ہو اور خدا حفاظت کا ذمہ دار ہے اس سے بھی واقف ہو۔ علیؑ نے فرمایا کیوں نہیں۔ وہ ہماری ہست و بود کا بچپن سے جوانی تک تحفیظ و مربی رہا ہے۔ اس نے کہا اگر ایسا ہے تو اپنے کو کوٹھے سے گر کر حفاظتِ حق پر اعتماد کرو، تاکہ مجھے تمہارے یقین کا اطمینان ہو اور تمہارے خدا پر بھی اعتقاد پیدا ہو جائے؛ حضرت امیرؑ نے اس سے کہا کہ چل چپ رہہ کہیں تیری جان اس جرأت کا شکار نہ ہو جائے بھلا بندے کی کیا مجال کہ اپنی بدبختی سے خدا کی آزمائش کرے۔ ارے احمق یہ تو خدا ہی کا منصب ہے کہ وہ ہر سانس پر اپنے بندوں کی آزمائش کرے تاکہ ہمارا حال ہم پر ظاہر ہو جائے کہ ہم اپنے دل کی گہرائیوں میں اُس کے عقیدے پر کس قدر مضبوط ہیں جس نے آسمان کی چھت کھڑی کر دی اس کا امتحان کرنا تو کیا جانے۔ تو پہلے اپنا امتحان کر اس کے بعد دوسرے کا۔ یاد رکھ جہاں تیرے دل میں خدا کے امتحان کی آرزو پیدا ہوئی کہ تیرے دین کی مسجد جھاڑ جھکاڑے بھڑکی۔

۴۔ حضرت عثمانؓ کا منبر پر چب چاب پٹھنا

قصہ عثمانؓ سنو کہ جب آپ خلیفہ ہوئے تو منبر رسولؐ پر جا بیٹھے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر تین پایوں کا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ دوسرے پائے پر بیٹھے تھے حضرت عمرؓ جو اعزاز اسلام اور حفاظت دین کے لیے خلیفہ ہوئے تو آپ نے تیسرے پائے پر بیٹھنا اختیار کیا۔ جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو آپ تخت کے بالائی حصے پر بیٹھے ایک مہل شخص نے سوال کیا کہ وہ دو تو رسول اللہ کی جگہ نہ بیٹھے آپ نے یہ شان برتری کیسے اختیار کی۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ اگر تیسرا پایہ اختیار کروں تو عمر کے مانند ہونے کا وہم ہوتا ہے اور اگر دوسرے پائے پر بیٹھنا معمول کروں تو لوگ کہیں گے کہ یہ ابو بکرؓ کی برابری کرتا ہے۔ مگر یہ بلند مقام حضرت مصطفیٰ کی نشست گاہ ہے اور حضرت کی برابری کا کسی کو وہم بھی نہیں آسکتا؛ اس کے بعد وہ خدا کے پیارے خطبہ دینے کے بجائے عصر کے قریب تک خاموش بیٹھے رہے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ آپ سے خطبہ دینے کی درخواست کرے یا مسجد سے باہر چلا جائے۔ خاص دعاء پر ایک ہیبت طاری تھی اور سخن سے چھت تک خدا کا نور پھیلا ہوا تھا۔ جو بیٹھا تھا وہ اس نور کے جلوے میں گمن تھا اور جو اندھا تھا وہ بھی اس دھوپ سے گرم ضرور ہو گیا تھا۔ اس لیے کہ اندھا بھی اپنے میں گرمی محسوس کر کے سمجھ رہا تھا کہ آفتاب نکل آیا ہے؛

۵۔ ایک مٹی کھاؤ کا ترازو پانسنگ کا ڈھیلا کھانا

ایک شخص جسے مٹی (پنڈول) کے کھانے کی عادت پڑ گئی تھی، ایک دفعہ پنساری کی دکان پر گیا۔ تاکہ مصری اور عمدہ قند خریدے۔ پنساری اس کی عادت سے واقف اور بڑا چالاک

اور منافق تھا اور اُس کی ترازو کا بٹ بھی پتھر کی بجائے ڈھیلے کا تھا کہنے لگا کہ میری مصری بہت صاف شفاف اور اعلیٰ درجے کی ہے اور شکر بھی موجود ہے مگر میری ترازو کا بٹ یہ ڈھیلہ ہے۔ خریدار نے کہا کہ مجھے تو عمدہ قند کی ضرورت ہے۔ ترازو کا بٹ چاہے کیسا ہی ہو مجھے اس سے کیا کام۔ مگر سو ذمہ پنڈول کا ڈلا دیکھ کر جی لپجانے لگا۔ ادھر پنساری جے ہوئے قند کو توڑنے کے بہانے اندر کی طرف چلا گیا وہ پیٹھ پھیرے اپنا کام کر رہا تھا کہ یہ پودہ مٹی کھاؤ ڈھیلے میں سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جرانے لگا، ہجکتا بھی جاتا تھا کہ کہیں دکان دار میری حرکت کو نہ دیکھ لے لیکن پنساری کن آنکھیوں سے دیکھ کر اپنے کام میں مشغول رہا اور اپنے جی میں کہا کہ واہ رے بے وقوف تو نے سب چوروں کو مات کر دیا اگر تو نے چرایا اور میرے ڈھیلے کا وزن کم کیا تو میرا کیا گیا تو نے اپنا ہی نقصان کیا۔ تو اپنے گدھے پن کی بنا پر مجھ سے ڈرتا ہے اور میں یہ دڑ رہا ہوں کہ کہیں تو کم نہ کھائے۔ اگر پہ میں اپنے کام میں مشغول ہوں لیکن ایسا احمق نہیں ہوں کہ تجھے شکر زیادہ لے جانے دوں۔ جب تو شکر کے وزن کو جانچے گا تو معلوم ہوگا کہ اس واقعے میں احمق کون تھا اور عقلمند کون؟ ؛

۶۔ حضرت ابراہیم ادم کے تخت و تاج کو ترک کرنے کا سبب

ایک رات وہ بادشاہ اپنی خواب گاہ میں سو رہے تھے اور نگہبان چاروں طرف بہرہ دے رہے تھے۔ یکایک انھوں نے کوٹھے کے تختوں پر بیٹنے کی چاپ اور ہائے ہلکی آواز سنی۔ اُن کی آنکھ کھل گئی اور سوچنے لگے کہ شاہی محل میں اس طرح رات کے

وقت چلنے کی مجال کسے ہے۔ ایک کھڑکی میں سے آواز دی کہ کون ہے۔ آدمی ہر یا پری۔ ایک عجیب و غریب جماعت دیکھی جس نے عاجزانہ سر جھکا کر کہا کہ ہم شروع رات سے تلاش میں پھر رہے ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم کیا ڈھونڈ رہے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم اپنا اونٹ ڈھونڈ رہے ہیں۔ بادشاہ نے کہا بھلا اونٹ کو ٹھے پر کیسے چڑھے گا۔ انھوں نے جواب دیا کہ جب اونٹ کو ٹھے پر نہیں چڑھ سکتا تو تخت شاہی پر بیٹھ کر خدا کی تلاش کیسے کرتا ہے؟

۷۔ پیاسے کا پانی میں اخروٹ پھینکنا

ایک گڑھے میں پانی بھرا ہوا تھا۔ کوئی پیاسا دہاں پہنچا اور درخت پر چڑھ کر اخروٹ توڑ توڑ کر پھینکنے لگا۔ جب درخت کی بلندی سے پانی میں اخروٹ گرتا تھا تو گرنے کی آواز آتی تھی اور بلبلی بھی اُبھر آتے تھے۔ ایک عاقل نے کہا کہ لے جو ان یہ کیا کرتا ہے۔ سارے اخروٹ بھی پانی میں پھینک دے گا تو بھی پانی کی گہرائی اور تجھ سے دوری کم نہ ہوگی۔ جس قدر اخروٹ پانی میں گر رہے ہیں اسی قدر پانی کو چوس کر اور کم کر رہے ہیں۔ تجھے اس سے کیا فائدہ ہے؟

اُس نے جواب دیا کہ میرا مطلب اخروٹ پھینکنا نہیں ہے۔ ذرا غور سے دیکھ اور اُس کے ظاہر پر مت جا، میرا مطلب صرف یہ ہے کہ پانی کی آواز آئے اور پانی کی سطح پر بلبلی اٹھتے ہوئے دیکھتا رہوں۔ دنیا میں پیاسے کا مشغلہ اس سے بہتر کیا ہوگا کہ ہمیشہ حوض کے اطراف چکر کاٹتا رہے۔ جیسے حاجی طواف کعبہ کو اچھا جانتا ہے اسی طرح پیاسا پانی کے گرد پھرنے اور پانی کی آواز سنتے رہنے کو پسند کرتا ہے؟

۸۔ بادشاہ کا ایک شاعر کو انعام دینا اور وزیر کی دراندازی

ایک شاعر بادشاہ کے حضور میں اشعار مدحیہ لکھ کر لایا۔ بادشاہ برفیاض تھا۔ حکم دیا کہ ہزار اشرفیاں مع لوازم انعام دی جائیں۔ وزیر نے کہا کہ اے شہنشاہ یہ بھی کم ہے۔ دس ہزار اشرفی انعام دیجیے تاکہ بال مہتمن ہو جائے۔ چنانچہ بادشاہ نے دس ہزار اشرفیاں بھی دیں اور شاعر کے لایق خلعت بھی دیا۔ شاعر کا دماغ بادشاہ کے شکر اور دعا سے گونج اٹھا۔ شاعر نے پتہ لگا یا کہ کس کی کوشش سے اس قدر انعام مل گیا اور میری اہلیت و قابلیت بادشاہ پر کس نے ظاہر کی۔ اہل دربار نے کہا وہ وزیر جس کا نام حسن ہے بہت خوش اطلاق اور کشادہ دل ہے اس کی کوشش سے یہ ہوا۔ شاعر نے اس کی مدح میں بھی ایک لمبا قصیدہ لکھا۔ چند سال کے بعد وہی شاعر کھانے کی پڑے سے تنگ دست ہو گیا سو چاکہ جس بارگاہ کی بخشش و سخاوت کو آرزو پا چکا ہوں بہتر ہے کہ اپنی ضرورت پھر وہی پیش کروں۔ یہ سوچ کر دل میں انعام و اکرام کا سودا پکا تا ہوا اسی محسن بادشاہ کے حضور میں پہنچا۔ شاعر کی سوغات تو اشعار ہوتے ہیں۔ ان ہی کو محسن کے حضور پیش کرنا اور ان ہی کو رہن کرنا ہے۔ اہل احسان کی سخاوت و بخشش نے شاعروں کو امیدوار کر دیا ہے۔ ان کے نزدیک ایک ایک شعر جو کہ سیکڑوں تھیلوں سے افضل ہے اور خاص کردہ شاعر جو سمندر کی تہ سے موتی لاتا ہے اس کے کلام کی توقیت ہی نہیں۔ الغرض بادشاہ نے اپنی عادت کے مطابق پھر ہزار اشرفی انعام دینے کا حکم دیا لیکن اس دفعہ وہ حاتم دل وزیر انتقال کر چکا تھا۔ اس کی جگہ ایک دوسرا بہت بے رحم اور کجخوس مقرر ہوا تھا۔ وزیر نے عرض کی جہاں پناہ! سلطنت میں بہت سے ضروری اخراجات ملتوی پڑے ہیں۔

اتنا بڑا انعام ایک شاعر کو دینا مناسب نہیں۔ اگر حکم ہو تو میں اس انعام کے ایک چوتھائی پر شاعر کو راضی کر لوں۔ امرائے دربار نے کہا بھی کہ وہ اگلی دفعہ اس دل والے بانشا سے دس ہزار کا انعام لے چکا ہے، گنتا چوسنے کے بعد نرسل کی پھنکنیاں کیونکر چبائے گا اور بادشاہی کے بعد گدائی کیسے کرے گا۔ وزیر نے کہا میں اس کو اس قدر تنگ کروں گا کہ انتظار کرنے کرتے رو دے گا۔ اس کے بعد اگر میں راستے کی مٹی بھی اٹھا کر دوں گا تو وہ پھول کی پتیاں سمجھ کر ہاتھوں ہاتھ لے گا۔ سلطان نے فرمایا کہ اچھا جو تیرے جی میں آئے وہ کر لیکن بہر حال اس کے دل کو خوش کر دے کہ ہمارا تاج اور دماغ گویا ہے۔ وزیر نے کہا وہ تو کیا اس جیسے دو سو فقیر بھی ہوں تو میرے حوالے کر کے آپ بے فکر ہو جائیں۔ القصد وزیر نے انعام میں ڈھیل دے دی۔ یہاں تک کہ سارے جاڑے کا موسم گزر گیا اور موسم بہار آگیا۔ شاعر جس قدر زیادہ اپنی ضرورت کے لیے بے قرار کیا ظاہر کرتا تھا وزیر اسی قدر وعدہ پورا کرنے میں جیلے حوالے نکالتا تھا۔ مایوس ہو کر وزیر سے عرض کی کہ چاہے بجائے انعام اور صلے کے آپ مجھے گالیاں ہی دیں تو میں جانوں کہ سب کچھ بھربایا اور آپ کی دعا گوئی میں مصروف ہو جاؤں۔ اس انتظار نے تو میری جان نکال لی۔ کم از کم مجھے صاف جواب ہی دے دیجیے تاکہ میری جان اس لالچ کے پھندے سے آزاد ہو۔ وزیر نے اس انعام کا چوتھائی دے دیا اور شاعر اس فکر اور تردید میں پڑ گیا کہ یا تو اس دفعہ کتنا بڑا انعام مل گیا تھا یا اس دفعہ ایک کانٹوں بھری ڈالی اس قدر دیر سے ملی لوگوں نے کہا وہ فیاض وزیر جس کے زمانے میں گراں بہا انعام خلعت ملا تھا وہ بے چارہ پل بسا خدا اس کو جزائے خیر دے۔ اب وہ نہیں رہا تو فیاضی بھی نہیں رہی۔ پس اب جو کچھ دیا ہے اسے لے اور راتوں رات یہاں سے نکل جا کہیں یہ بھی نہ چینے۔ ارے بے خبر! اتنا بھی جو اس کی مٹھی سے ہم نے کھلوادیا ہے تو اس میں بھی بڑے بڑے پلتر کرنے پڑے ہیں۔ شاعر نے ان سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ مہربانو! یہ بتاؤ کہ یہ گنوار آیا

کہاں سے، اس کفن چور وزیر کا نام کیا ہے۔ لوگوں نے کہا اس کا نام بھی حسن ہی ہے۔ شاعر نے کہا بار الہان دونوں کا نام ایک ہی کیسے ہو گیا۔ ایک حسن تو وہ تھا کہ اس کی ایک گردشِ قلم سے سیکڑوں وزیر و امیر فیض پاتے تھے، ایک یحییٰ ہے کہ اس کی بد نما ڈارھی سے فقط ریاں ہی بٹی جاسکتی ہیں۔

۹۔ بادشاہ کا روزینہ کم کرنا اور غلام کا عرضیاں لکھنا

کسی بادشاہ کا ایک غلام تھا جس کی عقل مردہ اور ہوس زندہ تھی۔ اپنے فرائض میں بھی غفلت کرتا تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کا روزینہ گھٹا دیا جائے اور اگر بحث و تکرار کرے تو اس کا نام فردِ غلامان سے خارج کر دیا جائے۔ وہ غلام روزینے کے کم ہوتے ہی ناراض اور گستاخ ہو گیا۔ اگر اس کی سمجھ ٹھیک ہوتی تو اپنی حالت کو دیکھتا اور اپنے جرم سے مطلع ہوتا تو معافی بھی مل جاتی مگر اس کی ہیکڑی تو دیکھو کہ وہ ہماہمی کی عرضی نازک مزاج بادشاہ کو بھیجتا ہے؛

اے عزیز! تیرا جسم ہی وہ عرضی ہے زرا غور سے دیکھ اگر وہ حضور شاہ میں پیش کرنے کے لائق ہے تو پیش کر۔ کسی کو نے میں بیٹھ کر اپنی عرضی کو کھول کر پڑھا۔ اس کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف کو دیکھ کہ آیا وہ بادشاہوں کے لائق بھی ہے یا نہیں۔ اگر ہائے کے لائق نہیں ہے تو اس کو چاک کر کے دوسری عرضی تیار کر اور اس طرح اپنا مدعا حاصل کر۔ عرضی بھیجنے سے پہلے اس نے داروغہ باورچی خانہ سے جا کر کہا اے کنجوس ایسے سخی بادشاہ کا باورچی خانہ! اس کے مرتبے اور دریا دلی سے بید ہے کہ میرا اتب کم

کر دیا جائے۔ داروغہ نے کہا کہ شاہی مصلحت کے مطابق یہ حکم ہوتا ہے۔ اس میں سبخل اور تنگدلی نہیں ہے۔ غلام نے کہا کہ والد اللہ یہ بات تو بھکاری پن کی ہے۔ بادشاہ کی نظر میں تو سونا بھی خاک کے برابر ہے۔ داروغہ نے بہتیری دلیلیں بیان کیں، لیکن اپنی حرص کے مارے اس نے سب کو رد کر دیا۔ جب دوپہر کا کھانا بھی کم ملا تو اس نے بہت بُرا بھلا کہا۔ مگر نتیجہ ہی کیا تھا؛

غلام نے باورچی خانے کے آدمیوں سے کہا، معلوم ہوتا ہے کہ تم جان کر یہ عمل کر رہے ہو۔ انھوں نے کہا کہ ہرگز نہیں، ہم تو حکم کے تابع ہیں تیرے واسطے یہ کمی ذیلی کارخانے سے نہیں بلکہ اصل حاکم کی طرف سے ہوئی ہے۔ کمان کو الزام نہ دے یہ تیر جو تجھے لگا ہے تیر انداز کے بازو کی قوت سے لگا ہے۔ الغرض وہ غلام غم و غصہ میں گھر گیا اور بگڑ کر عرضی بادشاہ کو لکھی۔ اس میں بادشاہ کی مدح و ثنا کی، اس کی فیاضی و سخاوت کو خوب خوب سراہا۔ اگرچہ عرضی کے ظاہری الفاظ تعریفی تھے لیکن اس تعریف میں رنج اور غصے کی بو آتی تھی۔ بادشاہ نے اس کو پڑھ کر پھینک دیا کوئی جواب نہ دیا اور زبانی ارشاد فرمایا کہ اس کو سوائے کھانے کی فکر کے اور کوئی فکر نہیں۔ لہذا احمق کی بات کے جواب میں خاموشی بہتر ہے۔ اس کو ہماری دُوری کا غم اور نزدیکی کی آرزو نہیں ہے۔ جُزییات میں گرفتار ہے اور اصل کی پروا نہیں رکھتا۔ جب عرضی کا کوئی جواب نہ ملا تو غلام اور بھی خفا ہوا اور اس غم میں صاف پانی بھی گدلا ہو گیا۔ مارے جنون کے نہ قرار رہا نہ نیند آئی۔ دن رات اسی فکر میں رہنے لگا کہ بادشاہ نے جواب کیوں نہیں دیا۔ کہیں رقعہ پہنچانے والے نے بددیتی تو نہیں کی ممکن ہے اُس نے عرضی کو پیش کرنے کے بجائے چھپایا ہو، غالباً وہ منافق گھانس تلے کا پانی تھا۔ مناسب یہ ہے کہ بادشاہ کے حضور میں دوسری عرضی دوں اور کسی دوسرے لائق پیام بر کا انتخاب کروں۔ اس غلام نے امیر عرض بیگی، داروغہ مطیع اور عرضی پہنچانے والے پر اپنی جہالت کی

وجہ سے عیب لگایا اور اپنے ارد گرد کی نگرانی پھر بھی نہیں کی۔ اگر اپنے کو ٹٹولتا تو جان لیتا کہ خود اس نے ٹیڑھا راستہ اختیار کیا ہے۔ لہذا اس بدگمان نے ایک دوسری عرضی تیار کی اور اس میں بہت کچھ ہائے وائے مچائی کہ میں نے عرضی بادشاہ کے حضور میں بھیجی تعجب ہے وہاں پہنچی اور ٹھکانے لگ گئی۔ اس عرضی کو بھی بادشاہ نے پڑھ کر کوئی جواب نہ دیا اور چپکا ہو گیا۔ بادشاہ رو دکھاپن برتا گیا اور غلام عرضی پر عرضی دینا لگیا۔ جب پانچویں عرضی پیش ہوئی تو عرضی بیگی نے عرض کی کہ آخر غلام تو حضور ہی کا ہے۔ اگر جواب عنایت فرمائیں تو بعید از کرم نہیں۔ اگر اپنے غلام پر نظر کرم ڈالیں تو حضور کی شان بادشاہی میں کیا کمی ہوگی۔ بادشاہ نے جواب دیا یہ کوئی مشکل بات نہیں مگر بات یہ ہے کہ وہ احمق ہے اور احمق خدا کا مردود ہے۔ اگر میں اس کی لغزش اور جرم کو معاف کر دوں تو اس کا عیب مجھ میں سرایت کرے گا۔ ایک آدمی کی خارش سو آدمیوں کو خارش بنا دیتی ہے اور خصوصاً ایسے بد عقل غلام کی رعایت نہایت مضر ہے۔ خدا کی آتش پرست کو بھی کم عقل غلام نہ دے کہ اس کی نحوست سے زمین تو زمین بادل تک خشک ہو جاتے ہیں۔

۱۰۔ ایک فقیہ کا دستار کے نیچے دھجیاں بھرنا

ایک فقیہ نے پیتھڑے پاک صاف کر کے اپنے سر پر عمامے کے نیچے باندھے تھے تاکہ جب وہ کسی محفل میں ادنیٰ مقام پر بھی بیٹھے تو عمامہ بھاری بھر کم معلوم ہو۔ ان دھجیوں سے دستار کی نمائش دگنی ہو گئی تھی لیکن منافق کے دل کی طرح اندر سے ذلیل اور بُری تھی۔ گدڑی کی دھجیاں، رونی کے گالے اور پوتین کے ٹکڑے اس عمامے کے اندر دفن تھے۔ صبح سویرے مدرسے کا رُخ کیا تاکہ اس عزت کی چیز سے اس کے کچھ

ہاتھ لگ جائے۔ ایک اندھیرے چھتے میں ایک کپڑے اُتارنے والا چور اپنی تاک میں کھڑا تھا۔ ایک ہی ہاتھ مار کر دستار اُتار لی اور بھاگتا کہ بیچ کر اپنا کام بنائے بغیرہ نے اُس کو آواز دی کہ بیٹا! ذرا دستار واپس لا۔ پھر چاہے لے جائیو۔ یہ جو تو چاروں پروں سے اُڑ رہا ہے تو ذرا دستار کو کھول کر تو دیکھ۔ تو اپنے ہاتھوں سے اس کو کھول کر دیکھ اس کے بعد جی چاہے تو لے جا میں نے تجھے بخشا۔ جب اس نے بھاگتے بھاگتے کھولا تو ہزاروں چھیڑے گر پڑے۔ اتنے بڑے عامے سے صرف ایک گز پڑا تا کہ اس کے ہاتھ میں رہ گیا۔ اس کو بھی زمین پر پھینک دیا اور کہا کہ ارے ہلکے آدمی! اس دغا بازی سے تو نے ہماری محنت اُکارت کی۔ یہ کیا کرو فریب تھا کہ مجھے دستار پر ہاتھ مارنے اور اُڑا لے جانے کا لالچ دلایا۔ تجھے ان چھیڑوں کے پینے پر شرم نہیں آتی کہ مجھے ایک گناہ بے لذت میں مبتلا کر دیا۔ فقیہ نے کہا کہ بے شک میں نے دھوکا تو دیا لیکن نصیحت کے طور پر تجھے آگاہ بھی کر دیا۔ اسی طرح دنیا اگر بہت خوش منظر ہے لیکن اس نے اپنے عیب کو ہانکے پکارے ظاہر کر دیا اور سب سے کہ بھی رکھا ہے۔ اے شخص توجو بہاروں کی خوبی و غمی پر غش غش کر رہا ہے، ذرا خزاں کی سردی اور زردی کو بھی دیکھ۔

۱۱۔ ایک شخص کا اپنے حالِ ظاہرِ خلافِ ہوا باندھنا

ایک شخص عراق سے باکل بے سرو سامان ہو کر آیا۔ دوستوں نے اس دُوری و جدائی کے زمانے کے واقعات دریافت کیے۔ اُس نے کہا کہ بے شک دوستوں سے دُوری تو رہی لیکن یہ سفر میرے لیے بہت مبارک اور باعثِ مسرت رہا بخدا ہمیشہ خلیفہ کو شاد و آباد رکھے۔ اس نے مجھے دس خلعت عطا فرمائے۔ اُس نے خلیفہ کی اس قدر تعریف و توصیف کی کہ مبالغہ حد سے بڑھ گیا۔ دوستوں نے کہا کہ جس

خوار و ذلیل حالت سے تو آیا ہو وہی تیرے سفید جھوٹ کی گواہ ہے۔ سر نہنگا۔ بدن نہنگا۔ باطل ہڈیوں کا کوڑا۔ یہ شکر جو تو کر رہا ہے یہ یا تو چڑایا ہوا ہے یا بڑھایا ہوا ہے اگرچہ تیری زبان کمزوری کی طرح خلیفہ کی تعریف کا جال اتن رہی ہے لیکن تیری ظاہری حالت اور تیرے ہاتھ پیراس کی شکایت کر رہے ہیں جو خلعت سخی خلیفہ نے تجھے دیے کیا ان میں پاپوش اور پاجامے نہ تھے۔ اُس نے جواب دیا کہ خلیفہ نے تو اپنی دریا دلی سے کسی چیز کی کمی نہ کی لیکن میں نے سب بانٹ دیا۔ میں پاکباز دیندار ہوں اس لیے مال خدا کی راہ میں خیرات کر کے اس کے بدلے عمر دراز حاصل کی۔ دوستوں نے کہا کہ خیر مال گیا تو اچھا ہوا لیکن تیرے دل سے دھوئیں کے لٹے جو اٹھ رہے ہیں یہ کاہے کے ہیں۔ تیرا دل ایسا منہ بنا رہا ہے جیسا کہ کانٹا چھینے سے آثار درد پیدا ہوتے ہیں۔ تیرے سکرے ہوئے چہرے میں پاکبازی کا نشان نہیں۔ جو آدمی ایشاد کرتا ہے اس کی سیکڑوں پوشیدہ علامتیں ہوتی ہیں اور نکو کاری کی پہچان فوراً ہوتی ہے۔ اگر مال خدا کی راہ میں خرچ ہو جائے تو آدمی کے باطن میں سوسو طرح کی زندگیاں اس مال کی جانشین ہوتی ہیں۔ تو کہتا ہے میں نے گنقد کھایا ہے اور تیرے منہ سے لہسن کی بھبک آرہی ہے، ارے خواہ مخواہ کی بڑمت ہانک۔ دل کی مثال ایک بڑی حویلی کی ہے اور اس حویلی کے چھپواں ہمسائے بھی ہیں۔ وہ ہمسائے درازوں، سوراخوں اور دیواروں پر سے حویلی کے اندر کے حال سے خبردار ہو جاتے ہیں، ایسی دراز سے جس کا سان گمان بھی نہیں اور جس کا صاحب خانہ کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔

۱۲۔ چڑی مار کو ایک پرندے کی نصیحت

ایک چڑی مار نے بڑی ترکیب سے پھندے میں چڑیا پکڑی۔ چڑیا نے اس سے کہا لے بزرگ سردار! فرض کیجیے آپ مجھ جیسی چھوٹی سی چڑیا کو پکڑ کر کھا بھی جائیں گے تو

کیا حاصل ہوگا۔ اب تک آپ کتنی گائیں اور دُنبے کھا چکے ہیں اور کتنے اؤنٹ قربانی کر چکے ہیں۔ جب کہ آپ اتنے بڑے بڑے جانوروں کو کھا کر سیر نہیں ہوتے تو میرے ذرا سے گوشت و استخاں سے آپ کیا سیر ہوں گے۔ بجائے اس کے اگر آپ مجھے چھوڑ دیں تو آپ کی جواں مردی اور بلند نظری سے بعید نہیں۔ دوسرے آپ مجھے چھوڑ دیں تو میں ایسی تین مفید نصیحتیں کر دوں کہ آپ کے ہمیشہ کام آئیں۔ ان میں سے پہلی نصیحت تو آپ کے ہاتھ پر بیٹھے بیٹھے ہی کر دوں گی دوسری نصیحت دیوار پر بیٹھ کر دوں گی وہ ایسی ہوگی کہ آپ مارے خوشی کے پھول جائیں گے اور اپنی معلومات پر اترانے لگیں گے۔ اور تیسری نصیحت درخت پر بیٹھ کر سناؤں گی ان تین نصیحتوں سے آپ دنیا میں نیک بخت ہو جائیں گے۔ چڑی مارا رضی ہو گیا۔ پھندا ڈھیلدا کر دیا۔ چڑیا بھدک کر ہاتھ پر آ بیٹھی اور کہنے لگی ہاتھ والی نصیحت یہ ہے کہ محال بات چاہے کیسا ہی شخص کہے کبھی اعتبار نہ کرے !

جب پہلی نصیحت ہاتھ پر بیٹھ کر کہ چکی تو آزاد ہو کر بچھرے دیوار پر جا بیٹھی۔ اور دوسری نصیحت یہ کہ گزری ہوئی مصیبت کا غم نہ کر اور گزری ہوئی آسائش کی حسرت نہ کر۔ اس کے بعد چڑیا نے کہا کہ میرے پوٹے میں دس درم وزن کا ایک موتی ہے کہ تم کو دولت مند اور تمہارے بچوں کو اقبال مند کر دیتا، ایسا موتی جس کی نظیر تمام دنیا میں کہیں نہ تھی۔ افسوس کہ تم نے مجھے آزاد کر کے کھو دیا۔ جاؤ تمہاری قسمت میں نہ تھا۔ وہ چڑی مار یہ سنتے ہی پرٹ پکڑ کر اس طرح کونٹھ کونٹھ کر رونے لگا جس طرح زچگی کے وقت بچہ جتنے والی کروٹ بدل بدل کر روتی ہے۔ بار بار سرد آہیں کھینچ کر کہتا تھا کہ ہائے مجھ ناشدنی نے ایسی چڑیا کو کیوں چھوڑ دیا۔ ارے میں تو ڈوب گیا۔ اے چڑیا وہ بھی کیا ہی بُری گھڑی تھی جب تو آزاد ہوئی تو نے تھیلی میں جنت دکھا کر مجھے لوٹ لیا۔ چڑیا نے کہا میں نے پہلے ہی نصیحت کر رکھی ہے کہ گزری ہوئی

بات کا غم نہ کرو۔ جب وہ رفت و گزشت ہوگئی تو اس کا رنج کس کام آئے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو تم اس نصیحت کو سمجھے نہیں یا بہرے پن کی وجہ سے تم نے سنی ہی نہیں۔ اور دوسری نصیحت بھی کر دی تھی کہ محال بات کا ہرگز اعتبار نہ کرو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ بھلا غور تو کرو، میرا پورا تن و توش تین درم وزن کا بھی نہیں ہے۔ دس درم وزن کا موتی میرے پوٹے میں کیونکر رہ سکتا ہے اب جا کر چڑی مار کے اوسان ٹھکانے لگے سمجھا کہ بے شک قرینے کی بات ہے۔ کہنے لگا ارے نازک بدن وہ تیسری نصیحت بھی کرتی جا۔ چڑیا نے کہا واہ کیا خوب؟ تم نے ان دو نصیحتوں پر کونسا عمل کیا جو تیسری نصیحت کو ضایع کر دوں۔ اتنا کہہ کر خوشی خوشی خود مختاری کے ساتھ جنکھوں کے رُخ اڑ گئی۔

۱۳۔ ایک عورت کا علیؑ سے مدد طلب کرنا

ایک عورت حضرت علیؑ کے پاس آئی اور کہا میرا بچہ نالے پر چڑھ گیا ہے بھلائی ہوں تو آتا نہیں اور اگر اس کے حال پر چھوڑتی ہوں تو ڈرتی ہوں کہ کہیں نیچے نہ گر پڑے۔ اگر ڈرا کر بھلائی ہوں تو اتنی سمجھ نہیں کہ خطرے کو سمجھے۔ ہاتھ کے اشارے کو بھی نہیں سمجھتا اور سمجھتا بھی ہے تو مشکل یہ کہ مانتا نہیں۔ میں نے بہتری دودھ کی دھا نکال کر دکھائی مگر وہ ہے کہ خطرے کی طرف ہی رُخ کرتا ہے۔ اے مشکل کشا خدا کے واسطے میری مدد کیجیے۔ میرا دل کانپا جاتا ہے کہیں میرے دل کا میوہ ٹوٹ کر چھڑ نہ پڑے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ کسی بچے کو کوٹھے پر کھڑا کر دو تاکہ بچہ اپنے ہم جنس کو دیکھے اور نالے سے اپنی جنس کی طرف آہستہ سے آجائے کیونکہ ہم جنس اپنے ہم جنس پر فریفتہ ہوتا ہے۔ چنانچہ جب اس عورت نے ایک بچہ کھڑا کیا تو اس کا فرزند اپنے ہم جنس کو دیکھ کر ہنستا کھیلتا اُدھر چلا آیا اور اس طرح نالے کے اندر گرنے سے بچ گیا۔ پیغمبر

آدمی کی جنس سے اس لیے ہیں کہ ہم جنسی کی کشش سے مخلوق بدر رو میں گر پڑنے سے بچی رہے۔ حضرت خیر البشر صلعم نے جو فرمایا کہ میں تمہاری ہی مثل ہوں اس کی حکمت یہی ہے کہ لوگ اپنی جنسیت کی طرف کھینچے چلے آئیں اور گمراہ نہ ہونے پائیں؛

۱۴۔ شاہی مصباح کا اپنے سفارشی سے رنجیدہ ہونا

ایک بادشاہ اپنے مصاحب پر ناراض ہوا اور چاہا کہ ایسی سزا دے کہ دل سے دُھنواں نکلنے لگے۔ بادشاہ نے تلوارِ نیام سے سونت لی کسی کی مجال نہ تھی کہ دم مارے یا کوئی سفارش کر سکے۔ البتہ عمار الملک نامی ایک مصاحب زمین پر گر پڑا اسی وقت بادشاہ نے غضب کی تلوار ہاتھ سے رکھ دی اور فرمایا کہ اگر دیو بھی ہے تو میں نے بخش دیا اور اگر شیطنت بھی کی ہے تو میں نے قطع نظر کی۔ جب تیرا قدم در میان آگیا تو چاہے جرم کیسا ہی سخت ہو میں اس سے راضی ہوں؛

اب سُنئے کہ وہ مصاحب جو موت کی مصیبت سے چھٹا محبت کی بنا پر خود اپنے سفارشی سے ناراض ہو گیا اور دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا تاکہ عمار الملک سے سلام و کلام ہونے ہی نہ پائے۔ وہ اپنے سفارشی سے جو اس قدر انجان ہو گیا تو لوگ افسوس کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اگر یہ مجنون نہ ہوتا تو ایسے شخص کی دوستی کیوں ترک کرتا جس نے اس کو دوبارہ زندہ کیا۔ ارے اس نے تو گردن پہ رکھی ہوئی تلوار سے بچا یا تھا، ایسے کے پاؤں کی خاک ہو جانا چاہیے تھا۔ مگر یہ الٹا اینٹھ گیا اور ایسے شفیق دوست سے دشمنی اختیار کی۔ ایک ناصح نے اس کی خوب نصیحت کی

کہ تو مہربانی کا ایسا بدلہ کیوں دے رہا ہے۔

اس نے کہا کہ بادشاہ پر سے جان تصدق ہے، میرے اور بادشاہ کے درمیان وہ کیوں سفارشی ہوا۔ سوائے بادشاہ کے رحم کے مجھے کسی اور کا رحم درکار نہیں اور سوائے بادشاہ کے کسی غیر کی پناہ مجھے نہیں چاہیے۔ میں نے تو غیر شاہ کی نفی کر رکھی ہے۔ وہ اگر ایک دفعہ میری گردن مار دے تو ایسی ایسی ساٹھ جانیں بخش بھی دے گا۔ میرا فریضہ سردینا اور بے نفسی سے رہنا ہے اور بادشاہ کا فریضہ سرنخشا ہے۔ اس سر کے کیا کہنے جو شاہنشاہ کے ہاتھ سے کاٹا جائے اور پھٹکا رہے اس سر پر جو غیر کے آگے اپنی ضرورت لے جائے :

دفترِ پنجم - مثنوی شریف

۱۵۔ ایک عرب کا اپنے کتے کی جاگنی پر اوپلا

مچانا، مگر کھانے کو ایک نوالہ بھی نہ دینا

ایک کتے کی جان نکل رہی تھی اور ایک عرب پاس بیٹھا رو رہا تھا۔ آنکھوں سے لگاتار آنسو بہ رہے تھے اور کہتا جاتا تھا کہ ارے مجھ پر تو قیامت آگئی۔ ہاتے میں کیا کروں اے کونسا جتن کروں۔ ارے پیارے کتے تیرے بعد کیونکر جیونگا۔ ایک فقیر ادھر سے گزرا پوچھایا کیا واقعہ ہے تو کس لیے رو رہا ہے اس نے کہا کہ میرا ایک کتا بڑا ہی وفادار تھا۔ دیکھو وہ راستے میں پڑا دم توڑ رہا ہے دن کو شکار کر کے لاتا اور رات بھر نگہبانی کرتا تھا۔ کتا کیا تھا وہ تو شیر تھا۔ بڑی روشن آنکھوں والا، چوروں کو بھگانے والا اور

شکار بکڑنے والا تو ایسا تھا کہ شکار کے پیچھے تیر کی طرح جاتا تھا۔ اس میں بلا کی قناعت تھی بالکل بے غرض تھا اور دشمن کو پاس پھٹکنے نہ دیتا تھا اور اس کے باوجود بہت بادفا نیک خصلت اور جہربان تھا۔ فقیر نے پوچھا کہ اس کو کیا بیماری ہے۔ کیا کوئی زخم ہو گیا ہے۔ عرب نے کہا کہ بھوک سے مر جاتا ہے۔ فقیر نے کہا کہ بھائی اس مصیبت اور مرض الموت پر صبر کر۔ صبر کرنے والوں کو خدا اپنے فضل و کرم سے عوض دیتا ہے۔ اس کے بعد پوچھا کہ سردار آپ کی پیٹھ پر یہ بھری ہوئی جھولی کا ہے کی ہے؟ کہا کہ کل کے واسطے کچھ روٹیاں اور رکھائی پکائی کا سامان ہے۔ اپنے ہاتھ پر کی قوت قائم رکھنے کے لیے لیے جاتا ہوں۔ فقیر نے کہا کہ پھر تم روٹی سالن کتے کو کیوں نہیں دیتے۔ عرب نے کہا کہ اس درجہ محبت و بخشش میں نہیں پالتا۔ روٹیاں تو بے پیسے ہاتھ نہیں آتیں۔ البتہ آنسو بیکار ہیں۔ سو ان کو بہا دیتا ہوں۔ فقیر نے کہا ارے خاک پڑے تیرے سر پر! او ہوا بھری ہوئی مشک تیرے نزدیک روٹی کا ایک نوالہ آنسو سے بڑھ کر ہے۔ آنسو تو وہ خون ہے جس کو غم نے پانی بنا دیا ہے۔ ارے یہودہ تیرے نزدیک خون خاک کے برابر بھی نہیں رہا۔

۱۶۔ ایک حکیم کا مور پر اعتراض کرنا جو اپنے پر آپ اُکھیر رہا تھا

ایک مور جگل میں اپنے پر اُکھیر رہا تھا۔ ایک حکیم بھی اُس طرف سیر کرتا ہوا جانا نکلا۔ پوچھا کہ اے مور ایسے خوبصورت پر اور توجڑوں سے اُکھیرے دیتا ہے۔ خود تیرے دل نے کیسے قبول کیا کہ ایسے نفیس لباس کو نوچ کھسوٹ کر کچڑ میں پھینک دے۔ تیرے ایک ایک پر کو خوبصورتی کی وجہ سے حافظ لوگ تو قرآن شریف کی ترک بنا کے رکھتے

ہیں اور مفید و خوشگوار ہوا کے لیے تیرے پروں کی پنکیاں اور پنکے بنائے جاتے ہیں
 کیسی ناشکری اور جسارت ہے۔ تو نہیں جانتا کہ تیرا نقاش کون ہے۔ یا جان بوجھ کر
 ہیکڑی کرتا ہے اور جان کر نسی وضع بناتا ہے۔ جب مور نے نصیحت سنی تو حکیم کو غور
 سے دیکھا اور اس کے بعد جلا جلا کر رونے لگا۔ وہ مور ایسی پُرورد آواز سے رویا
 کہ سارے تماشائی رو پڑے اور جس نے پر نوجنے کا سبب دریافت کیا تھا وہ بغیر
 جواب کے پشیمان ہو کر دیکھنے لگا کہ میں نے ناحق ہی اس سے پوچھا وہ پہلے ہی غم سے
 بھرا ہوا تھا میں نے اور چیخ دیا۔ اس کی آنکھوں سے جو آنسو کا قطرہ زمین پر ٹپکتا تھا،
 اس میں سو سو جواب موجود تھے۔ جب رو چکا تو کہا کہ جاتو ابھی رنگ دبو میں گرفتار
 ہے۔ یہ نہیں دیکھتا کہ ان ہی پروں کے لیے ہر طرف سے سیکڑوں بلاؤں کا نزول مجھ
 پر ہوتا ہے۔ کتنے بے رحم شکاری ہیں جو ان ہی پروں کی خاطر ہر طرف جال لگاتے ہیں اور
 کتنے تیر انداز ہیں جو ان ہی پروں کے واسطے مجھ پر تیر چلاتے ہیں۔ چونکہ ایسی موت الہی
 آفت اور ایسے فتنے سے اپنے کو بچائے رکھنے کی مجھ میں طاقت نہیں اس لیے بہتر یہی
 ہے کہ بد نما و بد شکل ہو جاؤں تاکہ اس پہاڑ کے دامن اور اس جنگل میں محفوظ رہوں۔
 میرے نزدیک جان بال و پر سے ہزار درجہ بہتر ہے کیونکہ وہ باقی رہنے والی اور ہم
 فنا ہونے والا ہے۔ اے جو ان پر پر میرے غور کا آد بن گئے ہیں اور غرور مغروروں
 کو سو بلاؤں میں مبتلا کرتا ہے۔ اے عزیز! سلامتی چاہتا ہے تو غرور کے اسباب کو ترک کر دے؛

۱۔ ایک شخص کلہرن کو گدھوں کے صطبل میں بند کر دیا

ایک شکاری نے ہرن پکڑا اور صطبل میں باندھ دیا۔ اس صطبل میں گدھے ہی گدھے بھرے
 ہوئے تھے۔ ہرن مارے گھبراہٹ کے ہر طرف دوڑتا تھا اور شکاری رات بھر گدھوں کے

آگے گھانس ڈالتا رہا۔ مارے بھوک اور حرص کے ہر گدھا وہ گھانس اس مزے سے کھا رہا تھا جیسے کوئی گنا چوستا ہے۔ وہ ہرن کبھی تو ادھر ادھر بھاگتا تھا اور کبھی دھوئیں اور گرد و غبار سے گھبرا کے منہ پھیر لیتا تھا۔ جس کسی کو اپنے خلاف طبع غیر جنس کے ساتھ یکجا کرتے ہیں تو وہ اسے موت کی سزا کے برابر جانتا ہے۔ چنانچہ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ اگر وہ ہڈ ہڈ غیر حاضری کا معقول عذر نہ پیش کرے گا تو میں اس کو قتل کر دوں گا، یا اسے سخت سزا دوں گا جس کی کوئی حد نہ ہوگی۔ وہ کونسا عذاب ہے؟ وہ اپنے غیر جنس کے ساتھ ہم نفس ہونا ہے۔ لے فرزند تو بھی اس بدن میں عذاب پارہا ہے۔ تیری روح کا پرندہ دوسری جنس کے ساتھ ایک جگہ قید کر دیا گیا ہے۔

الغرض کئی دن تک وہ خوشبودار نانے کا ہرن گدھوں کے اہطل میں سزا بھگتا رہا۔ ایسا بے تاب رہا جیسے مچھلی خشکی پر تڑپتی ہو گویا ایک ہی ڈبے میں مینگنی اور مشک عذاب پارہے تھے۔ ایک گدھے نے کہا کہ اومہو! ارے جنگلی تو بادشاہوں اور امیروں کا داغ رکھتا ہے، بس نچلا بیٹھ۔ دوسرے گدھے نے فقہہ مار کر کہا کہ دنیا کے جو اربھائے میں سے یہ بڑا آبدار موتی نکال لایا ہے۔ ایسی ان مول چیز کو سستا کیسے بیچے۔ تیسرے گدھے نے آوازہ کسا کہ جب تم ایسے نازک بدن ہو تو جاؤ تخت شاہی پر تکیہ لگا کر بیٹھو۔ چوتھے گدھے کو کھاتے کھاتے بدبھنی جو بھوی تو گھانس کھانی چھوڑی اور اپنی گھانس پر ہرن کو دعوت دینے لگا۔ ہرن نے سر ہلا کر جواب دیا کہ نہیں میں نہیں کھاتا۔ میں تو بہت کمزور ہو رہا ہوں۔ اس نے کہا کہ ہاں ہاں مجھے معلوم ہے کہ تم ذرا شان دکھا رہے ہو یا اپنی ہوا باندھنے کی خاطر کھانے سے پرہیز کر رہے ہو۔ ہرن نے گدھے سے کہا یہ کھا جا تو تیرا ہی ہے کیونکہ اس سے تیرے اجزائے بدن زندہ اور تازہ ہیں۔ مگر میں تو سرسبز و شاداب سبزہ زاروں کا شیدائی ہوں۔ بڑے بڑے درختوں کے سائے اور خوبصورت باغوں میں میں نے بسیرا کیا ہے۔ اگر قضائے

الہی نے مصیبت میں مبتلا کر دیا تو بھی شریف طبیعت کی خوبصورت دفعۃً کیونکر بدل جائے گی۔ اب بھک منگا ہو گیا ہوں تو کیا ہو؟ بھک منگی صورت تو نہیں ہے۔ اور اگر میرا لباس پُرانا ہو جائے تو کیا میں تو نیا ہوں۔ میں تو وہ ہوں کہ میں نے سنبل و لالا کو بڑے ہی ناز و نغزوں سے آہستہ آہستہ کھایا ہے۔ میرا نافہ خود شاہد ہے کہ اس کی خوشبو عود و عنبر کو دُور بھگاتی ہے۔ لیکن اس کو وہی سونگھتا ہے جس کے ناک ہو لید کو پوجنے والے گدھے پر اس کی خوشبو حرام ہے۔ گدھے جب چلتے ہیں تو راستے میں ایک دوسرے کی پیشاب گاہ سونگھا کرتا ہے وہی ایسوں کو مشک کیوں کر سُنگھاؤں ؟

۱۸۔ ایک حصارِ دل کا خواب میں کتیا کے پیٹ میں سے بچوں کی آواز سُننا

ایک شخص چلے میں تھا۔ خواب میں دیکھا کہ ایک کتیا حاملہ ہے۔ یہ راستے سے چلا جا رہا ہے کہ یکا یک کتے کے بچوں کی آواز سُنی۔ حالانکہ بچے کتیا کے پیٹ میں تھے اُس کو ان آوازوں پر تعجب ہوا کہ کتیا کے پیٹ میں سے بچوں نے آواز کیوں کر دی اسی حیرت میں آنکھ کھل گئی۔ مگر بیداری میں بھی اس کی حیرت بڑھتی گئی۔ چلے میں کوئی اور بھی نہ تھا کہ تعبیر دے کر اس گرہ کو کھولتا۔ لامحالہ درگاہِ الہی میں رجوع کیا۔ اس نے عرض کی یا رب! ان آوازوں کو سُن کر میں ایسے اچھے میں پڑ گیا ہوں کہ اس چلے میں تیرے ذکر اور تیری یاد سے بھی غفلت ہو رہی ہے۔ الہی میرے پنکھ کھول دے تاکہ اس عالم حیرت سے باہر ہو جاؤں۔ جواب میں ایک فرشتے کی آواز آئی اور کہا کہ یہ جاہلوں کے بڑائی کرنے کی مثال تھی

یعنی وہ جو آنکھیں بند کر کے بہو وہ کہتے ہیں۔ گتے کے بچے اگر پیٹ میں سے آواز دینے لگیں تو سراسر حماقت ہے۔ نہ وہ شکار کر سکتے ہیں نہ رات کو گھبنائی کر سکتے ہیں۔ نہ انہوں نے بھڑیے کو دیکھا کہ اس کو بھگا سکیں نہ انہوں نے چور کو دیکھا کہ اس کو روک سکیں اپنی حرص اور سروری کی تمنا میں ان جاہلوں کا بھی یہی حال ہے کہ غور و نظر میں کمزور اور زباں درازی میں شہزدر ہیں ۛ

۱۹۔ ایاز کا اپنے پوتین کے لیے حجرہ تعمیر کرنا اور حاسدوں کی بدگمانی

ایاز نے جو بہت عقلمند تھا اپنے پڑانے پوتین اور چلوں کو ایک حجرے میں ٹٹکار رکھا تھا روزانہ اس حجرے میں تنہا جاتا اور اپنے آپ سے کہتا کہ دیکھ تیری چلیں یہ رکھی ہیں خبر دوا تکبر و نخوت مت کرنا۔ لوگوں نے بادشاہ سے عرض کی کہ ایاز نے ایک حجرہ بنایا ہے اس میں چاندی سونا جمع کیا ہے اور ایک شراب کا چھوٹا سا پیابھی ہے وہاں کسی کو آنے نہیں دیتا۔ ہمیشہ دروازہ بند رکھتا ہے۔ بادشاہ نے فرمایا اس غلام پر حیرت ہے بھلا ہم سے کیا چیز اور کیا بات پوشیدہ رہ سکتی ہے۔ بادشاہ نے ایک امیر کو حکم دیا کہ آدھی رات کو زبردستی دروازہ کھول کر اندر گھس جاؤ۔ وہاں جو کچھ پاؤ لوٹ لو اور وہاں کے پوت کذہ حالات اہل دربار پر ظاہر کرو اس کے کیا معنی کہ ہمارے اتنے کرم اور بے حسا مہربانیوں کے باوجود بھی اپنی بد فطری کی وجہ سے سونا چاندی چھپا کر رکھتا ہے۔ اگرچہ بادشاہ خود اس کی پاکبازی کا یقین رکھتا تھا لیکن امیروں کو علانیہ دکھانے کے لیے تدبیر کی اور حکم دیا کہ لے امیرو! آدھی رات کو جا کر اس کے حجرے کا دروازہ کھولو۔

اس کی ساری دولت میں نے تمہیں بخشی۔ بادشاہ امیروں سے تو کہ رہا تھا مگر اس کا ضمیر جانے بوجھے کے متعلق ایسا حکم دینے پر بے تاب تھا کہ میری زبان سے اور ایسے احکام ایاز کے متعلق نکلیں۔ اگر میری ایسی سنگدلی کا حال وہ سن لے گا تو اس کا کیا حال ہوگا۔ پھر کہتا تھا کہ اسی کے دین دایمان کی قسم اس واقعے کے بعد اس کی عزت و توقیر اور بڑھ جائے گی۔ اگر میں آزمانے کو سوتلواریں بھی لگاؤں تو بھی اس پیارے کی محبت کم نہ ہوگی۔ القصد وہ سب امیر حجرے کے دروازے پر دولت اور شراب لٹھنے کی دھن میں پہنچے۔ چند آدمیوں نے بڑی ہاتھ چالاکی اور رکان سے دروازے کا قفل کھول ڈالا کیونکہ اس پر بہت پیچ دار قفل پڑا ہوا تھا۔ ایاز نے یہ قفل نخل کی راہ سے نہیں ڈالا تھا بلکہ چاہتا تھا کہ اپنا بھید عوام الناس سے پوشیدہ رکھے۔ حجرہ کھول کر یہ بدگمان حاسد ایک دم ایسے اندر گھس پڑے جیسے کہ چھاچھ کی ناند میں کھٹی چھرسڑ کر بدبو دینے لگتے ہیں۔ کیونکہ وہ چھاچھ کے عشق میں بڑے زور و شور سے گرتے ہیں مگر نہ چھاچھ کھا سکتے ہیں نہ باہر نکلنے کا دم باقی رہتا ہے۔ انھوں نے حجرے کے دائیں بائیں دیکھا بھالا۔ وہاں سوائے پھٹی چیل اور پوتین کے کیا دھرا تھا۔ پھر آپس میں کہا کہ اس جگہ ضرور کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے۔ یہ پھٹی ہوئی چیلیں تو ضرور دکھا دے کوہیں۔ کہنے لگے توک دارمیں تو لے آؤ زمین دوز حوضوں اور بدر رو کو بھی کھول کر دیکھ لیں۔ چنانچہ ہر طرف کھود کھود کر بھی دیکھا۔ کئی کئی گڑھے اور خندقیں کھود ڈالیں مگر آخر کار اپنی حرکتوں پر شرمناکرا کر ان گڑھوں کو بھرتے جاتے تھے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی عقل کے اندھے پن سے دیواروں میں بڑے بڑے بنارے ڈال دیے۔ لیکن یہاں بھی ہر اینٹ میں لاجول کی گونج تھی۔ اس گروہ کی تمام گمراہیوں اور بیہودگیوں کے گواہ دیواروں کے بنارے رہ گئے۔ یہ تو ممکن تھا کہ دیوار زبان حال سے نالہ نہ کرے مگر ایاز کی بے گناہی پر کوئی مجال انکار نہ تھی

بہر حال اب یہ فکر پڑی کہ بادشاہ کے سامنے کیا عذر کریں کہ اپنی جان بچے۔ آخر کار یایوس ہو کر اپنے ہاتھوں اور ہونٹوں کو کاٹ کاٹ کر لہو لہان کرتے ہوئے سروں پر عورتوں کی طرح ڈھتہ مارتے ہوئے وہ لوگ گردوغبار میں اٹے زرد و شرمندہ شکل بنائے حضور شہریار میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ کے عرض بیگی نے چھٹے ہی پوچھا کہ بتا کیا حال ہے۔ تھاری بھلیں زرد و جو اہر کی تھیلیوں سے خالی ہیں۔ اور اگر تم نے وہ دولت چھپالی ہے تو خیر مگر تمہارے چہروں اور گالوں پر سرت کے خون کی جھلک تک بھی نہیں ہے۔ وہ سب امیر اپنی پشیمانی کا اظہار کرنے لگے اور سب کے سب سائے کی طرح چاند کے آگے سجدے میں گر پڑے۔ اس کیلئے اور ہماہمی کے دعوؤں کی شرمندگی مٹانے کو تیغ و کفن لے کر حاضر ہوئے۔ سب مارے شرم کے انگلیاں کاٹ رہے تھے اور ہر ایک کہ رہا تھا کہ اے شاہ جہاں! اگر ہمارا خون بھی بہایا جائے تو بالکل حلال ہے۔ اگر بخش دیا جائے تو آپ کا انعام و احسان ہے۔ بادشاہ نے ارشاد کیا کہ نہیں میں نہ تم کو بخشوں گا نہ سزا دوں گا۔ یہ معاملہ ایاز کے سپرد ہے۔ یہ تکلیف و مصیبت ایاز کے جسم اور آبرو پر گزری ہے اور زخم اس نیک خصلت کی رگوں پر لگے ہیں۔ لہذا اے ایاز! اب تو ابن مجرموں پر حکم عدالت جاری کر کیونکہ ہم کو تیرے بدلہ لینے کا سخت انتظام ہے۔ ایاز نے عرض کی کہ اے بادشاہ حکم تو تجھی کو حاصل ہے۔ جہاں آفتاب طلوع ہو، وہاں ستارے نابود ہو جاتے ہیں۔ زہرہ یا عطارد یا شہاب ثاقب کی کیا مجال کہ آفتاب کے آگے اپنا وجود ثابت کریں۔ بادشاہ نے ارشاد فرمایا کہ اے ایاز! تجھے اپنی چیل اور پوسٹین سے پیٹھ ہے۔ یہ تیری بت پرستی نہیں تو کیا ہے۔ ان دو پُرانی چیزوں سے جان کے برابر محبت قائم کر کے تو نے دونوں کو اپنے مہرے میں لٹکا دیا۔ ان پُرانی چیزوں کو تو کب تک یاد رکھے گا۔ آخر یہ تو بتا کہ تیری چیل کس آصف کی جلوہ گاہ ہے اور کیا تیری پوسٹین یوسف کی تمیص ہے؟ اپنی چیل کے اس بھید کو بیان کر کہ تجھے اس

چپل کے آگے اتنی سرافگندگی کیوں ہے، تاکہ پوتین اور چپل کے اصل بھید کو معلوم کر کے ہمارے نافرمان اور فرمانبردار بندے سر جھکائیں۔

ایاز نے عرض کی میں تو اتنا ہی جانتا ہوں کہ سب تیری عطا ہی در نہ میں تو وہی پوتین اور چپل ہوں۔ اسی لیے ان کی حفاظت کرتا ہوں کہ گویا وہ میری اصلی ذات کی حفاظت ہے۔

۲۰۔ لومڑی کا مگر سے گدھے کو دو بار شیر کے آگے لے جانا

ایک دھوبی کا گدھا تھا۔ پیٹھ زخمی، پیٹ خالی اور جسم بالکل ہڈیوں کا کوڑا چپل پہاڑیوں کے بیچ میں بالکل بے سہارا اور بے آسرا صبح سے شام تک رہتا تھا۔ وہاں سوائے پانی کے کچھ نہ تھا۔ وہ گدھا دن رات پیچ و تاب کھاتا رہتا تھا۔ ان ہی پہاڑیوں کے آس پاس ایک گھنا جھل تھا۔ اس میں ایک شیر شکار کیا کرتا تھا۔ اتفاقاً شیر کا جھلی ہاتھی سے مقابلہ ہوا۔ شیر اس قدر زخمی ہو گیا کہ شکار کے قابل نہ رہا۔ جب شیر مدت تک شکار کو نہ نکلا تو دوسرے چھوٹے درندے ناشتے سے محروم ہو گئے۔ کیونکہ شیر کا پس خوردہ وہی کھاتے تھے۔ شیر بیمار ہو گیا تو وہ بھوکے مرنے لگے شیر نے ایک لومڑی کو بلا کر کہا جا اور کسی گدھے کو میرے لیے شکار بنا۔ اگر اس سبزہ زار میں کسی گدھے کو پائے تو جا کر اسے باتوں میں لگا کر یہاں تک لے آ۔ چاہے گدھا ہو چاہے گائے ہو جو بھی ملے ڈھونڈ اور اپنی چالاکیوں کا جال بچھا۔ جب گدھے کے گوشت سے مجھ میں کچھ دم آجائے گا تو اس کے بعد کوئی دوسرا اچھا شکار کروں گا۔ تھوڑا سا میں کھاؤں گا۔

باقی تم ہی کھاؤ گے میں تو صرف تمہارے رزق کا ذریعہ بنوں گا۔ لومڑی نے عرض کی جو حکم، میں خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ ایسے آثار چڑھاؤ بتاؤں گی کہ عقل حکم میں آجائے۔ جلد بازی اور مگاری میرا کام ہے۔ غرض پہاڑ کے اوپر سے لومڑی ندی کی طرف اسی فکر میں جا رہی تھی کہ اُس غریب دُبلے پتلے گدھے پر نظر پڑی۔ لومڑی نے سامنے جا کر بڑے تپاک سے سلام کیا اور اس سادہ دل فقیر کے سامنے گئی۔ کہا کہ حضرت اس خشک بیابان میں جہاں تبھر ہی تبھر ہیں آپ کیوں رہتے ہیں۔ گدھے نے کہا چاہے غم ہو چاہے الم ہو خدا نے میری قسمت میں یہی لکھا ہے۔ اور میں اسی پر شاکر ہوں۔ میں اس قسمت کرنے والے کی تقسیم پر راضی ہوں جو خاص و عام کا مالک ہے۔ سب اس کی نعمتوں سے بہرہ ور ہیں، کیا چوپائے کیا حشرات الارض وہ سب کو روزی پہنچاتا ہے۔ پرندے اور مچھلیاں بھی اپنی قسمت کا کھاتی ہیں اور چوڑیاں اور سانپ بھی اسی کی دی ہوئی غذا سے پیٹ بھرتے ہیں۔

لومڑی نے کہا رزقِ حلال ڈھونڈنا حکمِ خدا کی تعمیل میں سب پر فرض ہے۔ اس عالمِ اسباب میں بے سبب رزق نہیں ملتا۔ لہذا کوشش کرنا لازم ہے۔ لے صاحبِ عقل اگر تو کسی کنوئیں میں جا بیٹھے تو رزق تجھ تک کیسے پہنچے گا۔ گدھے نے کہا یہ ہمارے توکل کا ضعف ہے ورنہ جس نے جان دی ہے وہی نان بھی دے گا۔ جو بادشاہی و قمنڈی کی تلاش کرے اُسے کھانے کو کم نہیں ملتا۔ لیکن چرندے درندے بھی اپنا اپنا رزق کھاتے ہیں۔ نہ وہ کمائی کرتے ہیں نہ اپنا رزق ساتھ لیے پھرتے ہیں۔ سب کو وہ رزاق ہی روزی دیتا ہے اور جس کا جو مقسوم ہے وہ اس کے آگے رکھ دیتا ہے۔ جو صبر کرتا ہے۔ رزق خود اس کے آگے آتا ہے۔ اس لیے جستجو اور فکر تیری بے فکری کے سبب سے ہیں۔

لومڑی نے کہا کہ ایسا توکل تو نادر رات سے ہے۔ توکل کے مسئلے میں لوگ بہت

غلطی کرنے ہیں کسی غیر معمولی اصول کے پیچھے پڑنا سخت نادانی ہے۔ ہر شخص میں بادشاہی کرنے کی قابلیت کہاں ہے۔ اگر وہ پیغمبر نے قناعت کو خزانہ فرمایا ہے مگر وہ پوشیدہ خزانہ ہر ایک کو کب ملتا ہے۔ لے لے گدھے اپنے حد ادب کو پہچان اور زیادہ اونچا نہ اڑھیں خرابی کے گڑھے میں نہ گر پڑے۔ جب تو کُل پر تجھے صبر نہیں ہے تو اپنی کوشش سے کما اور روزی تلاش کر۔ گدھے نے کہا یہ بات تو تو بالکل اوندھی کہتی ہے۔ طمع سے جان خرابی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ نہ قناعت سے اب تک کوئی مراہی نہ حرص کر کے کوئی بادشاہ ہوا ہے۔ کارخانہ قدرت میں سورتوں اور کتوں تک کو رزق دینے میں دریغ نہیں۔ اور بارش و ابر آدمیوں کا کسب نہیں ہے۔ جس طرح کہ تو رزق کی عاشق اور اس کے لیے بے تاب ہو رہی ہے، اسی طرح رزق بھی اپنے کھانے والے کا عاشق و شیدا ہے۔ اگر تو جلدی نہ کرے تو رزق کھنچا کھنچا خود ہی تیرے دروازے پر حاضر ہو اور اگر تو بے صبری کرے تو پھر تجھے دردِ سر میں مبتلا کر دے۔

لو مڑی نے کہا کہ یہ لمبی چوڑی باتیں چھوڑ اور کسب پر ہاتھ ڈال۔ البتہ یہ کوشش بے غرض ہونی چاہیے۔ جو شخص کسی ہنر یا پیشے میں قدم رکھتا ہے وہ گویا دوسرے اہل پیشہ کی مدد کرتا ہے کیونکہ تمدن کے سارے پیشے ایک شخص انجام نہیں دے سکتا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ بڑھی بھی وہی ہو، ستھ بھی وہی ہو اور جولا بھی وہی ہو، جب کہ باہمی امداد پر یہ کارخانہ قائم ہے تو ہر شخص کو ایک پیشہ اختیار کرنا ضروری ہے۔ مفت خوری کی سند نہیں۔ سنت کی راہ تو یہی ہے کہ آدمی کوئی کام اور کوئی پیشہ اختیار کرے۔

گدھے نے کہا کہ خدا پر توکل کرنے سے بہتر دونوں عالم میں کوئی پیشہ مجھے نہیں سوچتا۔ یہ بات میرے علم سے باہر ہے کہ کسی نے خدا کا شکر ادا کیا ہو اور خود شکر نے اس کے لیے رزق نہ کھینچ لیا ہو؟

الغرض ان کی بحث اس قدر بڑھی کہ سوال و جواب سے دونوں تھک گئے۔

پھر لومڑی نے کہا کہ خدا کا حکم موجود ہے کہ تم اپنے ہاتھوں آپ ہلاکت میں نہ پڑو پتھر لے
اور خشک جنگل میں صبر کرنا صریح حماقت ہے جب کہ خدا کا جہان بہت وسیع ہے۔ تم
یہاں سے سبزہ زار میں منتقل ہو جاؤ۔ وہاں ندیوں کے کنارے مزے مزے کا سبزہ
چرو۔ ایسے سبزہ زار جو بہشت کی مانند ہیں اور ان میں گھاس کمر کمر تک اگی ہوئی ہے۔ وہ
جانور بڑا خوش نصیب ہے جو وہاں چلا جائے۔ تو وہ ایسا مقام ہے کہ وہاں اونٹ بھی
چھپ جاتا ہے۔ اس سبزہ زار کے ہر طرف چستے بہ رہے ہیں اور اس میں ہر جانور بالکل
محفوظ اور خوش حال ہے۔

گدھے نے گدھے پن سے یہ نہ پوچھا کہ لے ملعون جب تو اسی جگہ کی رہنے والی
ہے تو اس قدر کمزور کیوں ہے۔ تجھ میں مٹاپے اور خوش حالی کی کوئی بشارت نہیں ہے اور
یہ تیرا جسم ڈبلا اور بے قرار کیوں ہو رہا ہے۔ اگر سبزہ زار کی تفصیل جھوٹ اور فریب نہیں
ہے تو تیری آنکھوں میں اس کا شمار کیوں نہیں ہے۔ یہ بھگ منگی آنکھ اور ندیدہ پن تیرے
پھلکڑ پن کی وجہ سے ہے امیری سے نہیں۔ جب تو چستے سے چلی آ رہی ہے تو خشک کیوں ہے
اگر تو بہشت سے آئی ہے تو وہاں کا کوئی گلہ تہ بطور تحفہ بھی لائی ہے۔ تو جو کچھ کہتی اور
تفصیل وار بیان کرتی ہے خود تجھ میں تو اس کے آثار پائے نہیں جاتے۔

غرض گدھا چونکہ مقلد تھا آخر کار لومڑی کے فریب میں آ گیا۔ اس کی عقل و
بصیرت میں ذاتی قوت نہ تھی۔ اس لیے لومڑی نے کمزور پن سے اس کو خاموش کر دیا
کھانے کی حرص نے اس کو اتنا ذلیل کیا کہ وہ سب دلیلیں بھی گرد ہو گئیں۔ لومڑی نے
حیلے کے میدان میں قدم رکھا۔ گدھے کی ڈاڑھی پکڑی اور شیر کے آگے لے پہنچی۔ مگر ابھی
وہ گدھا شیر سے دُور ہی تھا اور شیر بھی ہلنے جلنے سے معذور تھا کہ گدھے کے پاس آنے کا
انتظار شیر نہ کر سکا اور بلندی پر سے ایک زور کی جست کی، حالانکہ اس میں اتنی بھی قوت
نہ تھی کہ اپنی جگہ سے ہل سکے۔ گدھے نے دُور سے یہ ماجرا دیکھا تو فوراً اُلٹے پانو بھاگا اور

اپنی پہاڑی کے دامن میں جا کر دم لیا۔ لومڑی نے شیر سے کہا کہ لے جہاں پناہ اپنے عین موقع پر صبر سے کام نہ لیا۔ اتنی راہ بھی نہ دیکھی کہ وہ بے وقوف آپ کی دسترس میں آجاتا اور آپ ایک ہی حلقے میں اس پر غالب آجاتے۔ جلدی اور تیزی شیطان کا لکڑی ہے۔ اور صبر و دلجمعی خدا کا فضل ہے۔ چونکہ وہ دور تھا آپ کو حملہ آور ہوتے دیکھ کر بھاگ گیا۔ کسی کا کیا گیا آپ ہی کی کمزوری ظاہر ہوئی اور عزت خاک میں مل گئی۔ شیر نے کہا کہ میں نے یہ گمان کیا تھا کہ شاید ذرا ظہورِ قوت مجھ میں باقی ہوگی لیکن میں اپنی اتنی کمزوری سے ناواقف اور اندھا تھا اور بات یہ بھی ہے کہ چونکہ بھوک اور شکار کی ضرورت حد سے زیادہ تھی اس لیے صبر اور عقل مارے بھوک کے بیکار ہو گئے۔ اگر ممکن ہو تو دوبارہ عقلمندی سے اسے یہاں تک لے آ۔ اور تو یہ کام کر سکے گی۔ مجھ پر تیرے بڑے بڑے احسان ہیں۔ اب کے ایک کوشش اور کرنا شاید کہ تو چالاکی سے پھر لے آئے۔ اگر خدا اس گدھے کا رزق مجھے عطا فرمائے تو میں بہترے شکار تجھے بخشوں گا۔ لومڑی نے کہا بہت اچھا اگر خدا میری مدد کرے اور اس کے دل پر اندھیرے کی جہر لگا دے تو اس کے گدھے پن سے کچھ بعید نہیں کہ جو دہشت وہ دیکھ چکا ہے، اسے بھول جائے۔ لیکن جب میں اسے آپ کے پاس لانے لگوں تو جلدی نہ کیجیے گا کہیں آپ کی جلد بازی اسے گزشتہ واقعہ یاد نہ دلادے۔ شیر نے کہا ٹھیک ہے اب تو میں نے تجربہ کر لیا کہ میں بالکل بیمار ہوں اور سارے جوڑ بند ڈھیلے پڑ گئے ہیں۔ اب کے تو یہ کروں گا کہ جب تک گدھا بالکل میرے پاس نہ آجائے میں کان تک نہ ہلاؤں گا اور دم سادھے پڑا رہوں گا۔

ادھر لومڑی پھر گدھے کی طرف لپکی اور خدا سے دعائی کہ لے کار ساز میری ایسی مدد کر کہ اس گدھے کی عقل پر غفلت کا پردہ پڑ جائے۔ ادھر گدھے نے جناب باری میں بڑی توبہ تلا کی کہ آئندہ کبھی کسی بد معاش کے پھندے میں نہ پھنسے گا۔ مگر قضا کچھ

اور ہی کہ رہی تھی۔ غرض لومڑی جھپا جھپ دوڑتی ہوئی گدھے کے پاس پہنچی۔ گدھے نے کہا تجھ جیسے دوست سے خدا پناہ میں رکھے۔ اری بے دفا! میں نے تیرا کیا بگاڑا تھا کہ تو مجھے شیر کے سامنے لے پہنچی۔ سوائے تیری بد باطنی کے تیرے اس کینے کا سبب کیا ہو سکتا ہے۔ یہ تو بچھو کی ہائی ہو گئی کہ بے چھیرے بے ستائے بھی پاؤ پر ڈنگ مارتا ہے۔ یا شیطان کی سی حرکت ہے کہ ہم اس سے الا اللہ تک نہیں کہتے مگر وہ ہے کہ خواہ مخواہ ہماری جان کا دشمن بنا ہوا ہے۔

لومڑی نے کہا کہ میاں گدھے! وہ تو جادو کی ڈھٹ بندی تھی کہ تمھاری آنکھوں کو شیر دکھائی دیا ورنہ خود سمجھ سکتے ہو کہ میں تن و توش میں تم سے کہیں چھوٹی ہوں اور رات دن وہیں رہا کرتی ہوں۔ ساری دنیا ہاتھی اور گینڈے جیسے بھوکوں بڑیٹیوں سے بھری پڑی ہے۔ اگر ایسی ڈھیٹ بندی نہ ہوتی تو وہ سبزہ زار کیسے محفوظ رہتا۔ میں نے پہلے ہی چاہا تھا کہ تجھ کو جتا دوں کہ اگر ایسی کوئی ڈراونی شکل دکھائی دے تو ڈرنا نہیں لیکن تیری دلجوئی اور محبت میں اس قدر محو ہو گئی کہ یہ بات جتانی بھول گئی۔ میں نے دیکھا کہ تو بھوک کے مارے بے تاب اور بے بس ہو رہا ہے اس لیے جلدی جلدی دوڑاتی تجھے لارہی تھی کہ تیری بھوک کا علاج ہو جائے ورنہ میں اس طلسمات کا راز تجھ پر ضرور کھول دیتی کہ وہ محض خیالی شکل ہے کوئی جسمانی شکل نہیں۔ میں اس ڈراونی مگر خوبصورت شکل کا حال تجھ پر ظاہر کرنا بھول گئی۔ گدھے نے کہا اری چل دوڑ ہو میرے سامنے سے۔ خدا تیری شکل پھر نہ دکھائے جس خدا نے تجھے بد نصیب بنا یا ہے اسی نے تیرے بُرے چہرے کو مکروہ اور سخت کر دیا ہے۔ اب کوئی نام نہ لے کر میرے پاس آئی ہے۔ ایسا سخت چہرہ تو گینڈے کا بھی نہیں تو میرے خون اور جان کی علانیہ دشمن ہے۔ اب تو میں عزرائیل کی صورت دیکھ آیا ہوں پھر بھی تو مکر اور جھوٹ کو سچ بنانے کی دھن میں بہاں آ پہنچی۔ چاہے میں گدھا ہوں یا

سب گدھوں سے ذلیل گدھا ہوں، جو کچھ بھی ہوں مگر جانور تو ہوں اور جان رکھتا ہوں۔ ایسے چال چکر میں کب آنے والا ہوں جیسی دہشت میرے دل پر ہوئی اگر کچھ دیکھ لیتا تو اسی وقت بڑھا ہو جاتا۔ اس خوفناک نظارے نے چھکے چھڑا دیے اور میں نے پہاڑ کی چوٹی پر سے سر کے بل اپنے کو نیچے گرا دیا آخر کار وہی احسان کرنے والا خدا یاد آیا اور میں نے عہد کیا کہ اب کے تو میرے پیروں کے بندھن کھول دے اس کے بعد کبھی کسی کے دھوکے میں نہ آؤں گا۔ اے مدد کرنے والے میں عہد کرتا ہوں اور یہی نذر کرتا ہوں۔ خدا نے اسی وقت ان دعاؤں اور رونے پینے سے میرے پاؤں کھول دیے اور بھاگ کر بچ نکلا اور نہ وہ شیر ز مجھے کھا جاتا۔ اے بدمصاحب! اسی شیر نے ازراہ مکر پھر تجھے میرے پاس بھیجا ہے۔

لومڑی نے کہا ہمارے نتھرے پانی میں تلچھٹ کا نام نہیں لیکن وہم و بدگمانی کا علاج ہی کیا ہے۔ اے بے وقوف یہ سب تیرا ہی وہم ہے۔ ورنہ میں تو نہ کوئی کھوٹ رکھتی ہوں اور نہ ارادہ فریب کا ہے۔ اپنے بُرے خیال کی عینک سے مجھے نہ دیکھ دوستوں سے بدظنی کیوں کرتا ہے۔ سچے اور سیدھے بھائیوں پر ہمیشہ نیک گمان کرنا چاہیے خواہ ان سے بظاہر کیسی ہی تکلیف پہنچے۔ جہاں بدگمانی اور بدخیالی پیدا ہوئی کہ دوستی دشمنی سے بدل گئی۔ اگر کوئی ہر بان محبت کے امتحان کے لیے کوئی سختی کر بیٹھے تو عقلمند کو چاہیے کہ بدگمان نہ ہو اور میں تو ایسی بدفطرت بدہنادنہ تھی کہ تو بدگمان ہو جانا جو کچھ تو نے دیکھا وہ تو صرف ڈھسٹ بندی تھی۔ گدھے نے بہتری ترید کی اور اسے دفنان کر ناچا ہا لیکن بھوک بیتاب کیے دیتی تھی۔ انجام کار حرص غالب آئی اور صبر جاتا رہا۔ روٹی کی ہوس نے کتنے گلے کٹوا دیے ہیں یہاں تک کہ حضرت رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے کہ محتاجی کا کفر تک پہنچ جانا ممکن ہے۔ چونکہ گدھا بھوک کا شکار ہو رہا تھا اس نے اپنے جی میں کہا کہ اگر لومڑی مکر ہی کر رہی ہے تو چلو ابھی سے

آپ کو مردہ سمجھ لو۔ اس بھوک کے صدمے سے تو جان بچے۔ اگر زندگی یہی ہے تو مرنا ہی بھلا۔ اگر چہ گدھے نے پہلے بہت توبہ تلا کی تھی اور قسمیں کھائی تھیں لیکن اپنے گدھے پن سے حماقت میں مبتلا ہو گیا۔ حرص آدمی کو اندھا، احمق اور بے وقوف بنا کر موت کو اس پر مہار کر دیتی ہے۔ گدھوں کو موت آجانی بہت آسان ہے کیونکہ وہ اپنی روح میں کوئی دوا می زندگی نہیں رکھتے۔ آخر کار اس گدھے کو بہلا بھسلا کر لوٹری دوبارہ شیر کے سامنے لے گئی اور اس نے چیر بھاڑ کے برابر کر دیا۔ اس شکار کی محنت سے وہ درندوں کا بادشاہ جو پیا سا ہوا تو ایک چشمے پر پانی پینے گیا۔ لوٹری کو موقع فرصت کا ہاتھ آیا تو اس نے فوراً گدھے کا دل وجگر کھا لیا۔ شیر نے چشمے سے واپس آکر جو دیکھا تو نہ دل تھا نہ جگر۔ لوٹری سے پوچھا کہ اس کا دل وجگر کیسا ہوا کیونکہ کوئی جانور ان دو سے خالی نہیں ہوتا۔ لوٹری نے عرض کی کہ جہاں پناہ! اگر اس کے دل وجگر ہوتا تو دوبارہ یہاں کیسے آتا۔ اس نے وہ قیامت اور دار و گیر دیکھی تھی اور وہ پہاڑ سے گر پڑنا اور وہ دہشت اور بھاگڑ کی مصیبت بگھلتی تھی اگر اس کے دل وجگر ہوتا تو آپ کے سامنے دوبارہ کیسے آتا۔

دوستو! جس دل میں نور نہ ہو وہ دل ہی نہیں اور جس میں روح نہ ہو وہ بالکل مٹی ہے۔

۲۱۔ ایک سقے کے گدھے کا گھوڑوں کا

ساز و سامان دیکھ کر حرص کرنا

ایک حکایت میرے والد نے بطور نصیحت ایک دن مجھ سے فرمائی کہ ایک سقے کا گدھا تھا۔ بوجھ ڈھونٹے ڈھونٹے اس کی کمر ڈہری ہو گئی تھی۔ اس کی بیٹھ میں دس جگہ

زخم تھے اور ہر وقت اپنی موت کا خواہشمند رہتا تھا۔ جو تو اُسے کہاں نصیب ، سوکھی گھانس بھی پیٹ بھرنے لگتی تھی۔ اس کے بدلے لوہے کی سیخ کے کچوکوں سے چوڑی زخمی ہو گئے تھے۔ سالوتری نے دیکھ کر اس پر بہت رحم کھا یا کیونکہ وہ گدھے کے مالک کا دوست تھا۔ اس نے سقے کو سلام کیا اور پوچھا کہ میاں تمہارا گدھا تو بڑھیا کی طرح دُہرا ہو گیا۔ سقے نے کہا کہ بھائی! میری مغلّی ہو کہ اس بے مُنہ کے جانور کے کھانے کو جو نصیب نہیں۔ اس نے کہا تم چند روز اسے میرے حوالے کرو تاکہ بادشاہی صطبل میں خوب کھا کر موٹا تازہ ہو جائے سقے نے وہ گدھا اس کے حوالے کر دیا اور اس نے بادشاہی صطبل میں لے جا کر باندھ دیا۔ گدھے نے دیکھا کہ ہر طرف عربی گھوڑے بڑے ساز و سامان کے ساتھ موٹے تازے پچھیلے رنگ کے بندھے ہیں۔ اُن کے تھانوں کی زمین خوب جھڑی جھڑائی، پانی چھڑکی ہوئی ہے۔ گھانس اور جو اپنے وقت پر دیا جاتا ہے۔ ان گھوڑوں کو کھریہ اور مالش ہوتے دیکھ کر تھو تھنی اونچی کی اور خدا سے یہ فریاد کی کہ اے رب کیا میں تیری مخلوق نہیں ہوں یہ مانا کہ میں گدھا ہوں لیکن کس وجہ سے بُرے حال پیٹھ زخمی اور دُبلا ہوں ہا ہوں یہ گھوڑے تو ایسے کرو فرسے رہیں اور میں نے کیا گناہ کیا ہے کہ اس مصیبت اور آزمائش میں پھنسا رہوں ؛ ناگہاں جنگ وجدل کا شور اٹھا اور گھوڑوں پر زین کئے اور جنگ پر لے جانے کا وقت آ گیا۔ ان گھوڑوں نے دشمن کے تیروں کے زخم کھائے اور اُن کا سارا جسم تیر کے پیکانوں سے چھلنی ہو گیا۔ جنگ سے وہ گھوڑے واپس آئے اور لمبے لمبے لیٹ گئے۔ ان کے پانوں اور سے باندھ کر نعلبند قطار در قطار کھڑے ہو گئے۔ ان کے جسم چیر چیر کر تیروں کے پھل نکال لیتے تھے تاکہ زخموں کو صاف کریں ؛ جب گدھے نے یہ حال دیکھا تو کانپ گیا اور خدا سے عرض کی کہ میں اس محتاجی اور سلامتی میں خوش ہوں۔ اس ساز و سامان سے جس میں ایسے زخم

کھانے پڑیں، میں باز آیا۔

۲۲۔ ایک زاہد کا توکل کی آزمائش کرنا

ایک زاہد نے حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا کہ چاہے تو رزق طلب کرے چاہے نہ طلب کرے وہ تیرے پاس دوڑا آتا ہے آزمائش کرنے کو یہ شخص ایک پہاڑ کے دامن میں جا کر سو رہا کہ دیکھوں رزق کیونکر آتا ہے۔ اتفاق سے ایک کارواں راستہ بھول کر اُدھر آ نکلا اور پہاڑ کے دامن میں اُسے پڑا ہوا دیکھا۔ اہل کارواں نے کہا کہ یہ شخص بالکل بے سرو سامان اس پُر خار جنگل میں راستے اور شہر سے دُور کیسے پڑا ہے۔ بڑا تعجب ہے کہ اس کو نہ بھیڑیے کا خوف ہے نہ کسی دشمن کا۔ خدا ہی جانے زندہ ہے کہ مردہ۔ قریب آ کر ہتھیار جگایا مگر وہ جان کر نہ اٹھا۔ نہ انہی جگہ سے ہلانہ سر ہلایا۔ بلکہ آزمائش کے شوق میں آنکھ تک نہ کھولی یہ حال دیکھ کر وہ آپس میں کہنے لگے کہ غریب بڈھے کو مارے بھوک کے سکتے ہو گیا ہے۔ روٹی اور دو گچی میں سالن لائے تاکہ نوالے اس کے منہ میں رکھیں اور حلق میں اُتار دیں۔ اس شخص نے بالا راہ اپنے دانت پچھی کر لیے تاکہ حضرت کے قول کی سچائی کو کسوٹی پر کسے۔ ان لوگوں کو اور بھی رحم آیا اور کہنے لگے کہ یہ تو بالکل دم توڑ رہا ہے۔ بھوک سے قریب مرگ ہو چکا ہے۔ ایک چھری لائے اور اس کو اڑا کر تیسری کو کھولا۔ اُس کے حلق میں شور باڈا لے تھے اور روٹی کے ٹکڑے چور چور کر کھلاتے تھے۔ اس نے اپنے دل سے مخاطب ہو کر کہا کہ لے دل اگرچہ میں جسم کو بے حس کیے پڑا ہوں مگر تجھے تو بھید معلوم ہو گیا۔ دل نے کہا کہاں میں جانتا ہوں اور یہ میں نے اس لیے آزمائش کرائی کہ تو کبھی توکل سے منہ نہ موڑے حرص کرنا تو بالکل گدھاپن ہے۔

اس کے بعد اس مسکین نے زبان کھولی اور کہا کہ میں نے اب رزق کی پوری پوری آزمائش کر لی۔ جو کچھ حضرت نے ارشاد فرمایا وہ بالکل سچ ہوا ہے اس میں کوئی شک مشتبہ نہیں۔

۲۳۔ ایک شخص کھسی کے گھر میں اس خوف سے گھس جانا کہ گدھے پکڑے جا رہے ہیں

ایک شخص مارے خوف کے کسی کے گھر میں گھس گیا۔ زرد چہرہ اُدھے ہونٹ اور مندفق تھا۔ صاحب خانہ نے پوچھا خیر تو ہے، تیرے ہاتھ بید کی طرح کیوں کانپ رہے ہیں۔ کیا بات ہے کیوں بھاگ آیا۔ تیرے چہرے پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا ہے اس کا سبب کیا ہے؟ کہنے لگا ظالم بادشاہ کی بیگاریں آج گدھے پکڑے جا رہے ہیں اُس نے کہا اے بھائی! گدھوں کو پکڑ رہے ہیں۔ جب تو گدھا نہیں تو تجھے کاہے کا ڈر ہے۔ اس نے کہا بادشاہی پیادے بہت سختی کر رہے ہیں اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر پکڑ رہے ہیں۔ اگر مجھے بھی گدھا بنا ڈالیں تو کوئی عجب نہیں وہ گدھے پکڑنے تو نکلے ہیں لیکن سختی اُن کی اس قدر حد سے بڑھ گئی ہے کہ تمیز جاتی رہی ہے چونکہ حکومت بے تمیزوں اور نادانوں کے ہاتھ میں ہے اس لیے ممکن ہے کہ بجائے گدھے کے گدھے کے مالک ہی کو پکڑے جائیں۔

۲۴۔ ایک لالہ کا دن دہاڑے شمع لیکر آرمی تلاش میں نا

ایک شخص دن دہاڑے شمع لے کر بازاروں کے چکر لگا رہا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ اے شخص یہ تو ہر دکان پر کے ڈھونڈنا پھرتا ہے۔ تو دن کے اُجائے میں جو چراغ لے کر سہ طرف گھورتا ہے

تو بھلا یہ بھی کوئی مذاق ہے۔ اس نے کہا کہ میں انسان کی جستجو میں ہوں مگر وہ کہیں نہیں ملتا اس لیے مایوس ہی جاتا ہوں۔ ایک شخص نے یہ باتیں سن کر کہا کہ اجی حضرت! دیکھیے۔ اس بازار میں تو اس قدر آدمی معلوم ہوتے ہیں کہ کھوے سے کھوا چھل رہا ہے۔ اُس نے کہا کہ میں اس مرد کو ڈھونڈ رہا ہوں جو غصے اور حرص کے موقع پر قابو میں رہے، جس کی مردانگی ان دونوں حالوں میں بھی قائم رہے۔ وہ دنیا میں کہا ہے جس پر میں اپنی جان صدقے کر ڈالوں۔ اُس نے جواب دیا کہ تو بہت کمیاب چیز کو ڈھونڈتا ہے لیکن تو حکم خدا سے غافل ہے۔ تو فرع کا دیکھنے والا ہے اور اصل کی خبر نہیں رکھتا یعنی ہم فرع ہیں اور اصل تو قضا و قدر کے احکام ہیں۔ جب نوپن چکی کے پاٹ چلتا دیکھتا ہے۔ تو اس کے نیچے ندی کے پانی کو بھی دیکھ۔ خاک تو اڑتے ہوئے دیکھ لیا، اس خاک کے درمیان کی ہوا کو بھی تو دیکھ۔ فکر کی دیگوں کو اُبلتے اور جوش کھاتے ہوئے دیکھتا ہے، ذرا عقل و ہوش کے ساتھ آگ پر بھی تو غور کر۔

۲۵۔ چورا اور کوتوال

ایک چور نے کوتوال سے کہا کہ اے سردار! میں نے جو کچھ کیا وہ خدا کا حکم تھا۔ کوتوال نے کہا کہ جو کچھ میں کرتا ہوں وہ بھی حکم حق ہے۔ اگر کسی دوکان سے کوئی مٹولی چرائے تو یہ حکم الہی سے چرائی اور جب اُس کے سر پر دو تین گھونٹے لگاتے جائیں تو یہ بھی حکم الہی سے ہے، اسے بھی لے۔

تمثیل

ایک شخص درخت پر چڑھ کر چوری سے میوہ توڑنے لگا۔ مالک آیا اور کہنے لگا کہ ارے بے شرم یہ کیا کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ اگر خدا کے باغ سے خدا کا بندہ

کھجور کھائے جو خدا نے عطا کی ہے تو اِصْر پر تو ملامت کرنے والا کون ہے۔ تو اس بے پروا خدا کی دولتِ بے زوال میں بھی بخل کرتا ہے۔ مالک نے اپنے غلام سے کہا کہ ذرا رسی تو لاتا کہ اس نیک مرد کو جواب دوں۔ رسی آئی اور مالک نے چور کو درخت سے باندھ کر پیٹھ اور چوڑوں پر مارنا شروع کیا۔ چور نے کہا ارے خدا سے شرم کر تو مجھے مارے ڈالتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ خدا کی لکڑی سے یہ بندہ خدا کے دوسرے بندے کی پیٹھ پر مار رہا ہے۔ یہ لکڑی بھی حق کی ہے اور میں بھی خدا ہی کے حکم کا غلام ہوں۔ آخر اس چور نے کہا کہ میں نے جبر سے توبہ کی ابے شک آدمی کو حق حاصل ہے۔

۲۶۔ ایک درویش کا عمید خراسانی کے غلاموں کو دیکھ کر خدا کو طعنہ دینا

شہر ہرات میں ایک مرد گستاخ نے وہاں کے امیر کے غلاموں کو اطلس کا لباس پہنے، کمر سے زرین پٹکے باندھے دیکھا تو آسمان کی طرف سراؤنچا کیا اور کہا کہ اے خدا! ایسے احسان کرنے والے امیر سے غلام کی نگہداشت کرنا تو کیوں نہیں سیکھتا۔ اے خدا تو غلاموں کی پرورش کرنا عمید سے سیکھ جو ہمارے شہر کا والی ہے۔ وہ مرد گستاخ، بالکل محتاج تنگ اور بے سروسامان تھا اور جاڑے کی سرد ہواؤں میں کانپ رہا تھا۔ اس بے خود نے چہل کی۔ وجہ یہ کہ اس کو ہزار ہا بخششوں پر اعتماد تھا کیونکہ اہل معرفت حق کے آس پاس رہتے ہیں۔ اگر کوئی بادشاہ کا مقرب گستاخی کرے تو تو اس کی تقلید نہ کر کیونکہ تو مقرب نہیں ہے۔

اب سنیے ایک دن بادشاہِ وقت نے اس والی پر تہمت لگائی اور ہاتھ پیر

باندھ کر قید کر دیا۔ اُن خوش لباس غلاموں کو بھی کھینچوں میں کھینچ کر حکم دیا کہ اپنے مالک کے سارے بھید مجھے سناؤ ورنہ تمہارا اسق چیر کر زبان کھینچ لوں گا۔ کابل ایک ماہ تک ان غلاموں کو طرح طرح کی اذیتیں دی جاتی تھیں اور مار مار کے ان کے ٹکڑے اڑا دیے مگر کسی غلام نے امیر کاراز بیان نہ کیا۔ تب اس گستاخ درویش کے خواب میں ایک فرشتہ نے کہا کہ لے شخص تو نے خدا کو آقائی کرنی سکھائی تھی، ذرا غلام بننا بھی سیکھ لے ۛ

۲۶۔ حضرت بایزیدؒ کے زمانے میں ایک مُسلماں کا آتش پرست کو دعوتِ اسلام دینا

حضرت بایزیدؒ کے زمانے میں ایک معزز آتش پرست تھا۔ ایک نیک مسلمان نے اُس سے کہا اگر تو مسلمان ہو جائے تو کیا اچھا ہو کہ تو نجات بھی پائے اور سردار بھی حاصل ہو جائے۔ اس نے کہا کہ اگر ایمان ہی ہے جو شیخ بایزیدؒ کا ہے تو مجھے اس کی تاب و طاقت نہیں کہ وہ میری جان کی برداشت سے باہر ہے۔ اگرچہ میں مسلمان نہیں لیکن بایزیدؒ کے ایمان کا قایل ہوں۔ مجھے ایمان ہے کہ وہ جملہ بنی آدم سے فضل ہے اور نہایت پاک، باہمت و باشوکت ہے۔ میں اپنے دل میں اس کے ایمان پر عقیدت رکھتا ہوں، اگرچہ میرے مُنہ پر سخت مہر لگی ہوئی ہے۔ لیکن اگر تم ایسے ایمان کی جیسا کہ تمہارا ہے، دعوت دیتے ہو تو مجھے نہ ایسے ایمان کی طرف کشش ہے نہ خواہش۔ اگر کسی کو ایمان کی طرف رغبت بھی ہو تو تم کو دیکھ کر جاتی رہے کیونکہ وہ تم میں ایمان کا صرف نام ہی دیکھے گا، اصلیت کا پتہ نہ پائے گا ۛ

۲۸۔ بد آواز موذن کا کافرستان میں اذان دینا

یہ حکایت سنو۔ ظاہری قصے کو چھوڑ کر اس کے نتیجے پر غور کرو۔ ایک موذن بہت بد آواز تھا۔ اور ہر رات اپنا حلق چیرا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ سُنتے سُنتے لوگوں کے سر میں درد ہو جاتا تھا۔ ایک طرف بچے اپنے بچھونوں میں اُس کی آواز سن کر اُچھل اُچھل پڑتے تھے۔ دوسری طرف عورت و مرد کی جان اُس کی کراخت آواز سے ضیق میں تھی۔ اس زحمت اور تکلیف کو دور کرنے کے لیے لوگ آپس میں چندہ کرنے جمع ہوئے۔ موذن کو طلب کر کے سب نے اپنے اپنے چندے دیے اور کہا کہ تیری آواز سے ہم نے بہت راحت پائی۔ دن رات کی آنی ہی مہربانی کافی ہے۔ اب زبان بند کر اور اس کے بدلے میں یہ چندہ حاضر ہو، اسے جاؤ ایک قافلہ حج کو جا رہا تھا۔ یہ موذن بھی اپنی چندے کی بوٹلی باندھ اس کے ساتھ ہو لیا۔ اتفاق سے اسی رات قافلہ کافروں کی کسی بستی میں ٹھہرا۔ وہ موذن تو اپنی آواز کا عاشق تھا ہی۔ اس نے اذان دینی شروع کر دی۔ چند آدمیوں نے منع بھی کیا کہ مبادا مقامی قبیلوں سے جنگ و عداوت پیدا ہو جائے لیکن اس نے ہیکڑی کر کے بالکل ہی کھڑی آواز سے کافرستان میں اذان دی۔ لوگ ڈر ہی رہے تھے کہ کہیں کوئی فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو کہ اتنے میں ایک کافر ہاتھ میں شمع لے، صلیو کا ایک طبق اور ایک نفیس کپڑوں کا جوڑا تختہ لایا اور قافلے میں دوستوں کی طرح داخل ہوا۔ ایک ایک سے پوچھتا تھا کہ وہ موذن کہاں ہے جس کی آواز سے راحت پہنچی ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ ایسی بھیانک آواز سے کیا راحت پہنچی ہوگی اُس نے کہا کہ میری ایک اکلوتی لڑکی ہے بہت نازک اندام اور خوب صورت اس کو مسلمان بوجانے کی بہت آرزو تھی۔ یہ سوچا اس کے سر سے کسی طرح نہ جا آتا۔

کتنے ہی کافروں نے نصیحتیں کیں لیکن بے سود ہوئیں۔ اس کے دل پر ایمان کی لہر اُٹھ آئی تھی اور اس کے دین بدلنے کے خوف سے میں ہمیشہ پریشان اور دردمند رہتا تھا۔ اس کو سمجھاتے سمجھاتے میں بالکل ہار چکا تھا۔ یہاں تک کہ آج اس موذن نے آواز دی۔ لڑکی نے سن کر کہا۔ یہ مکروہ آواز کیا ہے جو چاروں طرف سے میرے کانوں میں آرہی ہے، میں نے ساری عمر میں ایسی کرخت آواز نہ کسی منڈ میں سنی نہ کسی آتش کدے میں۔ اُس کی بہن نے کہا کہ یہ اذان کی آواز ہے۔ مسلمانوں میں نماز کی اطلاع دینے کا یہی طریق ہے۔ اس کو اعتبار نہ ہو تو دوسرے سے دریافت کیا۔ اس نے بھی تصدیق کی۔ جب اس کو یقین ہو گیا تو اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور مسلمانوں سے اس کا دل ہٹ گیا۔ میں اپنی لڑکی کے تبدیل مذہب کے خوف سے محفوظ ہو گیا اور اس شکر تے میں یہ تحفہ لایا ہوں۔ وہ موذن کہاں ہے؟ جب اُسے دیکھا تو کہا یہ تحفہ لیجیے آپ تو میرے محسن اور دستگیر ہیں۔ آپ نے مجھ پر وہ احسان کیا ہے کہ تمام عمر کو غلام ہو گیا۔ اگر میرے پاس مال اور ملک اور حکومت ہوتی تو آپ کا مُنہ اشرفیوں سے بھر دیتا۔

۲۹۔ ایک عورت کا گوشت کھانا اور کہنا بلی کھایا

ایک شخص کی بیوی تھی بڑی چال باز اور چور۔ میاں جو کچھ گھر میں لاتا بیوی تلپٹ کر دیتی اور مرد کو سوائے خاموشی کے کوئی چارہ نہ تھا۔ ایک دن وہ بے چارہ تو بڑی کوشش و تر دوسے مہمان کے واسطے گوشت لایا۔ عورت نے کباب کر کے سب چٹ کر لیا۔ جب میاں آیا اور کہا کہ مہمان آپہنچا وہ گوشت کہاں ہے۔ مہمان کے آگے اس کے کوفتے بنا کر رکھنا ہے۔ عورت نے کہا کہ گوشت تو یہ تلی کھا گئی اگر تجھے

غرض ہو تو اور گوشت خرید لا۔ میاں نے غلام سے کہا کہ ذرا ترازو تولو کہ اس بلی کو تولوں۔ جب تولو تو وہ کوئی چار سیر ملی۔ اس وقت میاں نے کہا کہ مگراہ خام پارہ گوشت تو چار سیر سے بھی زیادہ تھا اور بلی کھم چار سیر کی ہو اب اگر یہ بلی ہی تو گوشت کہاں ہو اور اگر یہ گوشت ہی تو بلی کہاں گئی۔

۳۰۔ ضیاء لطنی کا شیخ الاسلام تاج کے بابت ایک لطیفہ

ضیاء لطنی صاحبِ الہام بزرگ تھے اور ان کے بھائی تاج شیخ الاسلام تھے۔ طلب علم میں ایک کثیر جماعت ان کے پاس درس لینے کو ہر وقت حاضر رہتی تھی تاج دارالسلطنت بلخ کے شیخ الاسلام اور بہت ہی بھگنے قد کے تھے۔ تاج بڑے فاضل اور صاحبِ ہنر تھے اور ضیاء ظرافت میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے لیکن شیخ الاسلام کی طبیعت میں تجتر بھی تھا۔ اور اپنے بھائی ضیاء سے ان کو شرم آتی تھی، اگرچہ ضیاء بھی صاحبِ ارشاد و اعظمت تھے۔ ایک دن شیخ الاسلام کے دربار میں بڑے بڑے قاضی، مفتی اور علماء جمع تھے کہ ضیاء بھی آن پہنچے۔ شیخ الاسلام نے بڑی نخوت و تمکنت سے ان کو نصف تعظیم دی۔ ضیاء نے جو ایسا غور دیکھا اور بھری محفل میں عزت کر کر ہی ہونے کی وجہ سے کسی قدر شرم آئی تو کہنے لگے کہ تم بے حد بے تہمتے۔ تبرک کے طور پر کچھ درازی سروچرا لے گیا اس لیے پورے قد سے کھڑے ہونے میں شرماتے ہو۔

۳۱۔ مسخرے کا شاہ ترمذ کو شطرنج میں تباہ دینا

بادشاہ ایک مسخرے کے ساتھ شطرنج کھیل رہا تھا۔ مات جو ہوئی تو بادشاہ کو

غصہ آگیا اور شہ شہ کہ کر شطرنج کا ایک ایک ہرہہ مسخرے کے سر پر مارنا شروع کیا اور کہنے لگا ارے بے محبت لے یہ شہہ مسخرے نے صبر کیا اور معافی مانگنے لگا۔ اس کے بعد بادشاہ نے ایک بازی اور کھیلنے کا حکم دیا۔ وہ مسخرہ اس قدر لرزد رہا تھا جیسے سخت جاڑے میں ننگا کانپتا ہو دوسری بازی بھی بادشاہ ہار گیا اور پھر شہ مات کہنے کا وقت آیا۔ تب وہ مسخرہ وہاں سے اُٹھ کر ایک کونے میں گیا اور مہروں کی چوٹ سے بچنے کے لیے کئی لحاف اور توٹک اپنے اوپر ڈال لیے۔ بادشاہ نے کہا۔ ہائیں ہائیں، ارے یہ کیا کر رہا ہو۔ اُس نے کہا کہ لے شاہ عالی جاہ اب آپ کو شہ مات دیتا ہوں۔ تجھ جیسے غصیل بہت چھٹ سے لحاف میں چھپے بغیر سچی بات کیونکر کہی جاسکتی ہے۔ لے بادشاہ تجھے پھر مات ہوگئی اور میں تیری چوٹوں سے بچ کر تجھے شہہ کہتا ہوں۔

۳۲۔ ایک صنوفی کا حریف کو آنکھیں نکالتا دیکھ کر بے ہوش ہو جانا

ایک صنوفی لشکر کے ساتھ جنگ پر گیا۔ وہاں بکا ایک دشمن کے حملے اور دؤبڈؤ جنگ کی آوازیں جو آئیں تو صنوفی اپنی جھولی کو لیے خیمے ہی میں رہ گیا اور شہسوار صف جنگ میں جا پہنچے۔ جو لوگ اپنے جسم سے بو جھل تھے وہ بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے اور جو آگے بڑھنے والے تھے وہ آگے بڑھ گئے۔ اہل لشکر جنگ کر کے فتح مند پس ہوئے اور بہت سا گراں بہا مال غنیمت ساتھ لائے۔ انھوں نے ایک شخص صف صنوفی کو دیا مگر صنوفی نے اٹھلکے پھینک دیا اور کچھ نہ لیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ

حضرت، آخر اس خفگی کا سبب کیا ہو۔ کہا میں جنگ سے محروم رہ گیا اور معرکہ جنگ میں شریک ہو کر کسی سے دُؤبذو نہیں لڑا۔ لوگوں نے کہا اچھا ہم ایک قیدی ساتھ لائے ہیں تم اسے لے کر قتل کر دو۔ اگر تم اس کا سرتن سے جدا کر دو گے تو تم بھی غازی ہو جاؤ گے۔ اس بات سے صوفی ذرا خوش ہوا اور دل قوی ہو گیا، کیونکہ اگرچہ پانی سے وضو کرنے میں سو طرح پاکیزگی اور نورانیت ہی مگر جہاں پانی نہ ملے تو تیمم ہی کرنا پڑتا ہے۔ القصہ صوفی اس گرفتار قیدی کو اپنے نیچے کے پیچھے لے گیا تاکہ اس سے جنگ کرے۔ صوفی کو وہاں بہت دیر ہو گئی۔ لوگوں نے کہا کہ تعجب ہے نہ معلوم اس فقیر پر کیا گزری۔ اس کافر کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور اس کا مار ڈالنا بات ہی کیا تھی۔ اس کے قتل کرنے میں اتنی دیر کی کیا وجہ ہے ایک آدمی اٹھکر دیکھنے جو گیا تو دیکھتا ہے کہ صوفی نیچے ہے اور کافر اس پر چڑھا بیٹھا ہے۔ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں مگر غلبہ پا کر صوفی کا گلادانتوں سے کاٹ رہا ہے اور صوفی بالکل بے ہوش نیچے پڑا ہوا ہے۔ اس نے بندھے ہوئے ہاتھوں سے بلی کی طرح بغیر کسی ہتھیار کے اس کا صلق زخمی کر دیا تھا اور اس کی داڑھی فقیر کے خون سے رنگین تھی۔ غازیوں کو یہ دیکھ کر بڑی غیرت آئی اور اسی وقت اس کافر کے تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ صوفی کو ہوش میں لانے کے لیے چہرے پر پانی اور گلاب چھڑکا۔ صوفی ہوش میں آیا تو ایک مجمع کو اپنے اطراف پایا، لوگوں نے پوچھا کہ تو بہ لے بڑگ یہ کیا واقعہ ہے۔ تم کس وجہ سے بے ہوش ہو گئے۔ حیرت ہے کہ ہاتھ بندھے ہوئے ادھ موئے قیدی سے بھی تم مغلوب ہو گئے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ صوفی نے کہا کہ جب میں نے اس کا سر کاٹنے کا ارادہ کیا تو اس مردود نے عجب طرح سے مجھے دیکھا۔ پہلے آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھا اور پھر آنکھیں اس بُری طرح سے پھیریں کہ میرے ہوش جاتے رہے۔ جوں جوں اس کی

آنکھیں پھر رہی تھیں مجھے ایک بہت بڑا لشکر سامنے دکھائی دے رہا تھا اور میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ نظارہ کس قدر بھیانک تھا۔ قصہ کو تاہ میں ان آنکھوں کو دیکھ کر اس قدر بے قابو ہو گیا کہ بے اختیار زمین پر گر پڑا۔ لوگوں نے کہا سبحان اللہ بس تم تو باورچی خانہ اور خانقاہ میں رہا کرو تا کہ دوبارہ فوج میں رسوائی کی نوبت نہ آئے جب تم ایک ہاتھ بندھے ہوئے قیدی کے آنکھ دکھانے سے ایسے ڈوبے کہ تمہاری کشتی تک کے ٹکڑے اڑ گئے تو ایسی آنکھ والوں سے تم جنگ کیسے کر سکتے ہو۔

۳۳۔ خلیفہ مصر کا امیر موصل کی لونڈی کو غصہ کر لینا

ایک مخبر نے خلیفہ مصر سے عرض کیا کہ امیر موصل کے پاس ایک کنیز ہے جو تمام عالم میں اس کے حُسن کا جواب نہیں۔ اُس کے حُسن کی تعریف بیان میں نہیں آ سکتی۔ اس موقع میں ایک ہلکا سا عکس اس کے حُسن کا موجود ہے۔ بادشاہ نے جونہی کہ موقع میں اس کی تصویر دیکھی ہوش جاتے رہے۔ اسی وقت ایک پہلوان کو بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ مصر کی سمت روانہ کیا اور حکم دیا کہ اگر وہ اس ماہ پارہ کو تیرے حوالے نہ کرے تو اس کے علاقے کو الٹ پلٹ کر دے اور اگر دیدے تو اُسے چھوڑ دے اور اس ماہ پارہ کو یہاں لے آ۔ وہ پہلوان بڑے کروفر کے ساتھ ہزاروں رستموں اور طبل و علم کے جھرمٹ میں موصل کو روانہ ہوا۔ جس طرح کہ ان گنت ٹڈیاں کھیتوں کو لپٹ جاتی ہیں اسی طرح یہ فوج اہل موصل کی ہلاکت پر کمر بستہ ہو گئی۔ ایک طرف سے تیروں کی دوسری طرف منجنیق کے پتھروں کی بوجھاڑ کر دی اور تیسری طرف تلواریں کوندتی ہوئی جگلیوں کی طرح سونت سونت کر پل پڑے۔ مہفتہ بھر سخت خونریزی کی امیر موصل نے جب لڑائی کی صورت بگڑتی ہوئی دیکھی تو اندر رُون شہر سے ایک

سفیر روانہ کیا کہ ان مسلمانوں کی خونریزی سے تیرا مقصد کیا ہے جو جنگ میں روزانہ مارے جا رہے ہیں۔ اگر تیری نیت ملک موصل اور اُس کے دارالسلطنت پر ہے تو بغیر جنگ کے بھی یہ بات حاصل ہو سکتی ہے۔ میں اُس طرف سے شہر کے باہر چلا جاتا ہوں اور تو اُدھر سے داخل ہو جا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان مظلوموں کا خون تیرا دامن گیر ہو اور اگر تیرا منشا روموتی اور سونا چاندی سے ہے تو یہ چیز ملک و شہر دینے سے بھی زیادہ آسان ہے۔ تجھے جتنا سونا چاندی مطلوب ہو وہ میں بھیج دیتا ہوں۔ جب سفیر اس پہلوان کے پاس پہنچا تو پہلوان نے کہا کہ مجھے ملک چاہیے نہ مال میں تو ایک صاحب جمال چاہتا ہوں۔ وہ مرقع جس میں سینہ کی تصویر تھی دے دیا اور کہا کہ اس کے پاس لے جا اور صاف صاف بیان کر دے کہ یہ جس کی تصویر ہے اُس کو جلدی روانہ کر دو بس تمہارے ملک اور تمہاری جانوں سے پھر ہم کو کوئی سروکار نہیں۔ ورنہ میرے قہر و غضب کو تم جانتے ہی ہو سفیر نے واپس آ کر سب حال عرض کیا وہ مرقع دیا اور حکم بھی سُنا دیا۔ امیر کی مردانگی دیکھو اُس نے کہا کہ میں ایمان کے عہد میں بت پرستی جائز نہیں رکھتا۔ لہذا یہ بت اسی بت پرست کے پاس رہنا زیادہ مناسب ہے۔ کافی مال و منال کے ساتھ اس لونڈی کو شاہی لشکر گاہ تک لے جا کر حوالے کر دیا۔

اب سُنیے کہ جب اس پہلوان نے کنیز کی صورت دیکھی تو خود ہزار جان سے عاشق و فریفتہ ہو گیا۔ موصل سے واپس راستہ طُر کر رہا تھا کہ ایک پہاڑ کے دامن میں منزل کی۔ اس کے عشق کی آگ اس قدر بھڑک رہی تھی کہ زمین اور آسمان میں تمیز نہ کر سکتا تھا۔ کنیز کے خیمے میں گھس گیا۔ بھلا اس حالت میں عقل کہاں اور خلیفہ کا خوف کسے رہتا ہے۔ جب اس جُٹل میں خواہش اپنی چنگاریاں پھینکتی ہے تو عقل کو کانٹوں کی طرح جلا ڈالتی ہے، اس وقت اس کی آگ کے آگے

سو خلیفہ بھی ہوں تو کھٹی سے کتر ہوتے ہیں۔ لیکن عین مستی کی حالت میں بیکام شور و غوغا لشکر سے اٹھا۔ پہلوان نیم برہنہ تلوار کھینچے باہر نکل آیا۔ دیکھا کہ ایک سیاہ رنگ کا شیر جنگل کی طرف سے حملہ آور ہوا ہے۔ عربی گھوڑے آسیب زدوں کی طرح ادھر ادھر دوڑتے پھر رہے ہیں اور سارے طویلے اور خیمے اوندھے ہوئے ہیں۔ وہ شیر ڈر دک کر مورچ دریا کی طرح ہوا میں گزروں اونچا اچھل رہا تھا۔ مگر یہ پہلوان بھی بڑا بہادر اور نڈر تھا شیر کے سامنے شیر ہی کی طرح آیا اور تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ دو ٹکڑے کر دیے اور پھر فوراً ہی اپنی معشوقہ کے نیچے میں آیا۔ ایسے مہیب شیر سے مقابلہ کیا پھر بھی اس کی مستی کم نہ ہوئی اور وہ کینز بھی اس کی مردانگی کو دیکھ کر تعجب میں رہی۔

چند روز عاشقی کی پیہ ل چلتی رہی۔ اس کے بعد پہلوان اپنے سنگین جرم پر پشیمان ہونے لگا۔ کینز کو قسمیں دیں کہ چودھویں رات کے چاند! اس واقعے کی خبر کہیں بادشاہ کو نہ ہو جائے۔ اس کا خیال رکھنا۔ اس قسما قسمی کے بعد کینز کو لے کر بادشاہ کے حضور میں گیا۔ جونہی بادشاہ نے اس لوندی کو دیکھا وہ بھی قبضے سے باہر ہو گیا۔ کینز کا وصف جس قدر سنا تھا، اس سے زیادہ دیکھا بھلا دیکھا دیکھی سنا سنی کے برابر کیسے ہو سکتی ہے۔ غرض محل میں فوراً داخل کیا۔ لیکن جب خلوت میں اس کے پاس گیا تو اتفاق سے چوہے کے کاغذ کترنے کی آواز اس کے کان میں آئی۔ اسے یہ وہم گزرا کہ یہ سرسراہٹ سانپ کی نہ ہو جو تیزی سے فرش پر چل رہا ہے۔ کینز نے جو دیکھا کہ بادشاہ کا سارا جوش ٹھنڈا ہو گیا تو اس پر ہنسی اس قدر غالب آئی کہ بہت دیر تک ہنستی رہی اور بہتیری کوشش کی مگر بند نہ ہوئی۔ بھنگڑوں کی طرح ہنس رہی تھی۔ اس کی ہنسی نفع و نقصان سب پر غالب آئی۔ جس قدر اس پہلوان کا واقعہ یاد کرتی تھی اسی قدر ہنسی بڑھتی

جاتی تھی۔ اُس کی ہنسی ایسی تھی جیسے کہ کسی نہر کا دہانہ کھل گیا ہو۔ جب کسی عنوان اُس کی ہنسی رکھی نہیں تو خلیفہ غضب آلود ہو گیا۔ فوراً نیام سے تلوار نکالی اور کہا کہ لے پلید اس ہنسی کا سبب جلد بیان کر۔ میرے دل میں اس ہنسی سے بدگمانی پیدا ہو گئی ہے۔ سچ کہ بات بنانے نہ دوں گا اگر تو غلط بیانی سے مجھے دھوکا دے گی یا بہانہ بازی سے مجھے ڈر بڑا لے گی تو یاد رکھ میں اصل واقعہ جان لوں گا۔ بادشاہوں کے دل میں ایک بڑا چاند روشن رہتا ہے، اگر کچھ کبھی کبھی غفلت کے بادل میں چھپ جاتا ہے۔ مگر وہ بادشاہی فراست اس وقت میرے ساتھ ہے۔ اگر تو سچ نہ کہے گی تو میں اسی وقت تلوار سے تیری گردن اڑا دوں گا۔ اب کوئی بہانہ یا فریب کام نہ آنے گا۔ اور اگر سچی بات بتا دے گی تو تجھے آزاد کر دوں گا۔ عہد خدا کا حق ہے۔ میں اس کو نہ توڑوں گا اور تجھے خوش کروں گا۔ کنیز نے مجبور ہو کر اس پہلوان کا حال بیان کر دیا راستے میں اس کا خیمہ میں آنا۔ شیر کا ٹکٹن۔ پہلوان کا شیر کو مارنا اور پھر خیمہ عروسی میں داخل ہونا سب بیان کیا اور کہا کہ باوجود اس قدر قوت صرف کرنے کے اس کی سستی میں کوئی کمی نہ تھی بلکہ بدستور برقرار تھی۔ تجھ میں تو اس قدر سستی ہو کہ چوہے کے کترنے کی آواز سے تیرے ہوش جاتے رہے۔ چونکہ میں نے تیرا واقعہ بھی دیکھا اور اس کا ٹی دیکھا اس لیے مجھے بے اختیار ہنسی آگئی۔ بھیدوں کو حق خود آشکار کرتا ہے۔ تو بدی کا تخم بونے گا تو وہ ضرور تیرے آگے اُگے گا۔

یہ سن کر بادشاہ کو سخت عبرت ہوئی۔ اپنے جی میں کہا کہ میں نے دوسروں کے ساتھ جو کچھ کیا اس کا بدلہ میری جان کو ملا۔ اپنی قوت و مرتبے کے بل پر میں نے دوسرے کی بیوی کا قصد کیا تو اس کا یہ وبال پڑا۔ میں نے دوسروں کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو لا محالہ میرا دروازہ کھٹکھٹایا گیا جو شخص کہ دوسروں کی ناموس سے بدکاری کا ارادہ رکھے تو جان لو دوسرا بھی اس کے ناموس کی تاک

میں ہے۔ جب میں نے امیر موصل سے اس کی کنیز ہتھیالی تو لوگوں نے مجھ سے بھی اسے غصہ کر لیا۔ اگرچہ وہ میرا امین اور میرا غلام تھا لیکن میری خیانتوں نے اس کو بھی خائن بنا دیا۔ یہ موقع کینہ یا بدلہ لینے کا نہیں ہو کیونکہ میں نے خود ہی بیوہ کا کام کیا تھا۔ اگر کینہ پر آتا ہوں تو یہ کنیز مر جائیگی اور یہ جبر و ظلم بھی میرے سر پر رہے گا۔ جیسا ظلم میں نے کیا تھا اس کے عوض مجھ پر بھی ظلم ہوا۔ ایک بار آزما لیا اب دوبارہ نہ آزماؤں گا۔ یہ سوچ کر بادشاہ نے کہا کہ اے کنیز بس اب زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ تو نے کیا اس کو دل ہی میں رکھ کسی پر ظاہر نہ کر۔ میں اسی سردار کے ساتھ تجھے کر دوں گا۔ خبردار اس واقعے کی کسی کو خبر نہ کرنا تاکہ وہ مجھے دیکھ کر شرمندہ نہ ہو کیونکہ اس نے بدی تو ایک کی مگر اس میں لاکھوں نیکیاں پوشیدہ تھیں۔ میں نے بارہا اس کو آزما یا ہے اور تجھ سے زیادہ حسین اُس کی نگرانی میں رکھے ہیں۔ آج تک اس کو پورا پورا امانت دار پایا۔ لہذا یہ میرے ہی کرتوت کی سزا تھی۔ پھر اس پہلوان کو اپنے حضور میں طلب کیا اور انتقامی غصہ کو پی کر یہ بہانہ کیا کہ مجھے اس کنیز سے نفرت ہو گئی ہے اور اس کے رشک سے ولی عہد کی ماں فریاد و فغاں کرتی ہے۔ اور غمگین ہو گئی ہے۔ پھر جب اس کنیز کو کسی کے حوالے کرنا ہی ٹھہرا تو اے عزیز تو اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ جب کہ تو ایسی جاننازیوں سے اس کو یہاں تک لایا ہے تو تیرے سوا دوسرے کے حوالے کرنا پسندیدہ نہیں۔ غرض اس کا نکاح اسی پہلوان سے کر دیا۔ اگرچہ خلیفہ کی مردی گدھوں کے مقابلے میں ضرور سُست تھی لیکن اس میں پیغمبروں کی مردانگی غالب تھی اور اس نے وہ کام کیا جو بزرگوں کا حصہ ہے۔

۳۴۔ سلطان محمود کا موتی ٹوڑوانا

ایک روز سلطان محمود دربار میں آیا۔ جملہ ارکانِ دولت حاضر تھے۔ ایک چمک دار موتی نکالا اور وزیرِ اعظم کے ہاتھ میں رکھا اور پوچھا یہ موتی کیسا ہے اور اس کی کیا قیمت ہوگی۔ وزیر نے عرض کی کہ کوئی سو گون سونے کی قیمت کے برابر ہوگی۔ سلطان نے فرمایا کہ اچھا اسے توڑ ڈال۔ وزیر نے دست بستہ عرض کیا کہ اس کو کیونکر توڑ ڈالوں۔ آپ کے خزانوں اور مال و منال کا خیر خواہ ہوں۔ سلطان نے اس کو شاباشی دی اور خلعت سے سرفراز کر کے وہ موتی لے لیا۔ کچھ دیر تک سب کو دوسری باتوں میں مشغول کر کے وہ موتی سلطان نے عرض بیگی کو دیا کہ اگر کوئی خواہشمند ہو تو اس کی کیا قیمت لگانے گا۔ اُس نے عرض کی ایسی نصف مملکت ہو جس کو خدا زوال سے محفوظ رکھے۔ سلطان نے حکم دیا کہ اچھا اسے توڑ ڈال۔ اس نے عرض کی کہ اے سلطان! ایسے موتی کا توڑ ڈالنا غضب ہو جائے گا قیمت کو چھوڑو ذرا اس کی تاب اور چمک تو دیکھو کہ دن کی روشنی اس کے آگے ماند ہو رہی ہے۔ بھلا اس کے توڑنے پر میرا ہاتھ کیوں کراٹھ سکتا ہے۔ میں خزانہ شاہی کا دشمن تھوڑا ہی ہوں۔ بادشاہ نے اسے بھی خلعت سے سرفراز کر کے منصب میں اضافہ کیا اور اس کی عقل و فراست کی تعریف کی۔ کچھ دیر کے بعد وہی موتی امیر الامراء کو دیا اور اس سے بھی موتی کو آنک کر قیمت لگانے اور پھر توڑ دینے کا حکم دیا اس نے بھی یہی کہا اور خلعت و انعام پایا سلطان جوں جوں اُن کی تعریف کرتا اور مرتبہ بڑھاتا تھا دوں دوں وہ ادنیٰ لوگ راستہ سے بھٹک کر کنویں میں گر رہے تھے۔ وزیرِ اعظم کی تقلید میں امیر الامراء اور کئی امیروں نے اسی طرح کہا۔ اگرچہ تقلید اس جہان کا ستون ہے لیکن آزمائش کے وقت مقلد

رسوا ہوتا ہے۔ غرض سلطان نے سب کی آزمائش کر لی اور سب نے مال و خلعت سے سرفرازی پائی تو آخر میں موتی ایاز کو دیا اور کہا کہ ای نگاہ باز! ہر ایک نے اس موتی کو دیکھا ہے، ذرا تو بھی اس کی چمک دمک کو دیکھ۔ ایاز اب تو بتا کہ یہ موتی اس خوبی اور چمک کے ساتھ کس قیمت کا ہے۔ عرض کی میرے ہر انداز سے اس کی قیمت زیادہ ہے۔ سلطان نے حکم دیا کہ اچھا اس کو چوراچور کر دے۔ اس کی آستین میں گویا پہلے ہی سے پتھر موجود تھے فوراً موتی توڑ دیا۔ وہ سلطان کی آزمائش سے واقف تھا اس لیے دھوکے میں نہ آیا اور خلعت اور اضافہ منصب کے لالچ نے اسے گمراہ نہ کیا۔ اس نے سلطان کا حکم پاتے ہی موتی چکناچور کر دیا جب اس نے ایسا خاص موتی توڑ ڈالا تو سب امیر جلّا اٹھے کہ ہائیں یہ کیا بے باکی ہے۔ واللہ وہ شخص کافر ہے جو ایسے نادر موتی کو توڑ ڈالے۔ اس گروہ نے اپنے جہل و نادانی کی وجہ سے شاہی حکم کے موتی کو توڑ ڈالا۔ ایاز نے کہا کہ ای امیرو! شاہی حکم قیمت میں زیادہ ہے کہ یہ موتی۔ اے خدا کے واسطے یہ تو بتاؤ کہ حکم سلطانی تمہارے نزدیک زیادہ وقعت رکھتا ہے یا یہ موتی۔ ای لوگو تمہاری نظر موتی پر ہے، بادشاہ پر نہیں ہے۔ اس لیے تمہارا قبلہ شیطان ہے اور تم صحیح راستہ پر نہیں ہو۔ میں کبھی بادشاہ پر سے نظر نہیں ہٹاتا اور میں مشرکوں کی طرح تمہارے کو پلٹ کے بھی نہیں دیکھتا۔ وہ جان بخصلت ہے جو ایک رنگین پتھر کو آنکھوں پر رکھے اور حکم سلطانی کو پس پشت ڈال دے۔ جب ایاز نے راز میدان میں ڈالا تو سارے ارکان ذلیل و شرمندہ ہوئے۔ ان سب امیروں نے سر نیچے جھکا لیا اور اپنی بھول کا عذر کرنے لگے۔ سلطان نے جلاؤ کو اشارہ کیا کہ میرے دربار کو ان ذیلیوں سے پاک کر۔ بھلا ایسے ناپاک میرے دربار کے لائق ہیں جو ایک صدق دانے کے مقابلے میں میرے حکم کو توڑتے ہیں۔ ہمارا حکم ان اہلِ فساد ہیں

آکر ایک رنگین پتھر کے مقابلے میں ذلیل اور کم قدر ہو گیا۔ اس وقت رحمِ دل آیا ز اٹھ کھڑا ہوا اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ ان گناہگاروں کی غفلت اور گستاخی اور معاف کرنے والے! محض تیرے عفو کی زیادتی سے تھی۔ تو ان کو معاف کر دے تیری مہربانی غالب ہے اور ہم تجھ سے مغلوب ہیں میں کیا چیز ہوں کہ تیرے آگے کوئی مشورہ دوں یا تجھے شرطِ کرم بخشش یاد دلاؤں۔ مگر ای بادشاہ ان مجرموں کے سبھی تیری ہی دیوار سے لگے ہوئے ہیں۔ اگرچہ یہ شاہی جوئے کی بازی میں ہار گئے لیکن اپنے جرمِ دخطا سے واقف ہو چکے ہیں۔ اب انھوں نے اپنا راستہ چھوڑ کر تیری ہی طرف رخ کیا ہے۔ ای بادشاہ تیری ہی مہربانی تیری طرف راستہ دیتی ہے۔

دشمنِ مینوی شریف

۳۵۔ امیروں کا ایاز پر حسد کرنا

جب امیرانِ دربار کا حسد سے سوا ہو گیا تو اپنے بادشاہ کو مطعون کرنے لگے کہ یہ ایاز تیس عقلیں کہاں رکھتا ہے جو تیس امیروں کے برابر اعزاز و مراتب سے دیے گئے ہیں۔ ایک روز سلطان ان تیس امیروں کو ساتھ لیے جنگوں اور پہاڑوں میں بغرض شکار نکل گیا۔ دُور سے ایک کارواں کو آتا دیکھا۔ ایک امیر سے کہا کہ جاؤ اور ان سے پوچھو کہ کہاں سے آرہے ہیں۔ وہ گیا اور جواب لایا کہ رتے سے آرہے ہیں۔ سلطان نے پوچھا کہ کہاں جائیں گے تو وہ امیر چپ رہ گیا۔ دوسرے امیر سے کہا کہ جاؤ اور دریافت کرو کہ کارواں کہاں جائے گا۔ وہ جواب لایا کہ مین جائیں گے۔ سلطان نے پوچھا کہ ان کے ساتھ کیا سامان ہے۔

وہ بھی جواب نہ دے سکا۔ تو تیسرے امیر کو حکم دیا کہ جاؤ اور ان کا سامانِ سفر دریا کر دو۔ وہ بھی واپس آیا اور عرض کی کہ ان کے پاس ہر چیز ہے اور غالباً ان کے پاس رازی پیائے ہیں۔ سلطان نے پوچھا کہ وہ شہر سے کب نکلے تھے۔ وہ امیر بھی جواب دینے سے عاجز ہوا۔ چونکہ امیر کی طرف اشارہ کیا کہ جاؤ اور پوچھو کہ کارواں رتے سے کب نکلا۔ اس نے واپس آکر عرض کی کہ ساتویں رجب کو نکلے تھے۔ سلطان نے پوچھا کہ شہر سے میں ان چیزوں کا نرخ کیا ہے۔ وہ بھی دم بخود ہو گیا۔ اس طرح سب کے سب ناقص العقل ثابت ہوئے۔ ہر امیر ایک ہی سوال کا جواب لے کر چلا آیا پوری طرح کسی نے استفسارِ حال نہ کیا۔ پھر سلطان نے ان امیروں سے کہا کہ میں نے تم سے پہلے اپنے ایاز کی بھی آزمائش کی تھی وہ گیا اور ایک ہی دہلے میں سارے سوالوں کا جواب لے آیا یعنی بغیر صراحت کے خود ہی سارا حال پوچھ آیا تھا جو کچھ کہ ان میں امیروں سے تیس بار میں بھی معلومات حاصل نہ ہوتی وہ اس اکیلے سے ایک ہی دفعہ میں حاصل ہو گئی پس ان امیروں نے کہا کہ یہ اس کی قابلیت اور خدا کی دین ہے۔ کوشش سے نہیں حاصل ہوتی۔ خدا نے چاند کو خوب صورت چہرہ عطا فرمایا ہے اور مٹی ہی کو سوندھی خوشبو بخشی ہے۔

۳۶۔ ایک چڑی مار کا جسم پر گھانس لپیٹ لینا

ایک پزندہ سبزہ زار میں پہنچا جہاں شکار کے لیے جال لگا ہوا تھا۔ دیکھا کہ چند دانے زمین پر بکھرے پڑے ہیں اور ایک شخص اپنے جسم کو پتوں اور گھانس سے چھپائے ہوئے ہے اور ایک پھولوں کی ٹوپی سر پر پہن رکھی ہے۔ پزندہ بالکل انجان اس طرف آیا اور دانے کے گرد پھر کے اس چڑی مار سے پوچھنے لگا کہ اے سبز پوش تو کون ہے

جو اس درندوں کے جنگل میں آیا ہے اس نے کہا کہ میں تارک دنیا زاہد ہوں میں نے یہاں کی گھاس پات پر قناعت کر لی ہے۔ زہد و تقویٰ کو میں نے اپنا دین و مذہب بنا لیا ہے کیونکہ موت سر پر کھڑی نظر آتی ہے۔ ہمسائے میں ایک شخص کی موت دیکھ کر مجھے بڑی عبرت ہوئی اور یہ خیال دل میں جم گیا کہ جب ایک دن قبر میں ہی جانا ہے تو ابھی سے کیوں نہ دنیا سے الگ ہو کر خدا سے دل لگاؤں۔ پرندے نے کہا بھی کہ حضرت یہ ترک دنیا تو دین احمدی میں جائز نہیں ہے لیکن وہ جڑی مارا قسم کی باتیں بنا تا رہا۔ ادھر پرندے کی نظر بار بار دانے پر جاتی اور لالچ پیدا ہوتا تھا۔ پوچھا کیوں حضرت یہ گہیوں کے دانے کیسے پڑے ہیں۔ جڑی مارنے کہا یہ یتیموں کا مال میری امانت میں لوگ رکھوا دیتے ہیں۔ پرندے نے کہا میں اس وقت بھوک سے ایسا بیتاب ہوں کہ مجھ پر مُردار بھی حلال ہے۔ ارنیک بزرگ، اجازت دیجیے کہ دو چار دانے کھا لوں۔ جڑی مارنے جواب دیا کہ اپنی حالت کو دیکھ کر تم خود ہی فیصلہ کرو۔ احتیاط تو یہ ہے کہ مجبوری میں بھی پرہیز کیا جائے۔ پرندہ اس وقت عجب کشمکش میں پڑ گیا۔ آخر کار رہا نہ گیا۔ گہیوں کے دانے پر چونچ ماری اور فوراً ہی جال میں گرفتار ہو گیا پھر بہتیری ہی مناجات کی کچھ فائدہ نہ ہوا۔ پھنسنے کے بعد افسوس اور وا دیلا سے کیا نتیجہ ہے۔ یہ دل کا ڈھنواں تو دقت سے پہلے نکلنا چاہیے تھا جس وقت تیری حرص اور ہوس زور کرے تو اسی دقت دعا کر کہ ای فریاد کو پہنچنے والے قبل اس کے کہ دانہ میرا جال بن جائے تو میری حرص کی گرمی کو ٹھنڈا کر دے۔ جال میں پھنس کر پرندے نے کہا کہ یہ اس کی سزا ہے جو زاہدوں کی فریبی باتوں میں آجائے۔ زاہد بنے ہوئے جڑی مارنے کہا کہ نہیں یہ سزا تو اس اندھی ہوس کی ہے جو یتیموں کا مال کھانے پر نکل جائے۔

۳۷۔ چور کا بھڑے جانا اور پھر لباس بھی اڑالینا

ایک شخص اپنی بھڑے کو لیے جا رہا تھا۔ بہت لمبی رسی باندھ رکھی تھی۔ کسی چور نے پیچھے سے آکر رسی کاٹ ڈالی اور بھڑے کو لے کر چل دیا۔ جب اُسے خبر ہوئی تو وہ اپنے بائیں دوڑنے لگا۔ اتنے میں چور بھڑے کو چھپا کر ایک کنوئیں پر آ بیٹھا اور زار قطار روکنے اور داویلا کرنے لگا۔ بھڑے کو شبہ تو ہوا مگر یہ حالت دیکھ کر اس نے پوچھا کہ ای بھائی کیوں روتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میری روپوں کی تھیلی اس کنوئیں میں گر پڑی ہے۔ اگر کسی کو کنوئیں میں اُترنا آتا ہے تو اُترے اور وہ تھیلی کمال لائے اس کا پانچواں حصہ خوشی خوشی میں دے دوں گا۔ میری تھیلی میں پانسو درہم ہیں۔ بھڑے کو لے نے اپنے جی میں کہا کہ یہ تو دس بھڑوں کی قیمت ہے۔ اگر ایک دروازہ بند ہوا تو کیا ہے، دس دروازے کھل گئے۔ ہمارا ایک بھڑا گیا تھا خدانے بدلے میں اونٹ دلوادیا۔ کپڑے اُتار کر فوراً کنوئیں میں اُترا۔ چور وہ کپڑے بھی میٹ کر بھاگا۔ ہوشیار آدمی کو چاہیے کہ سیدھے راستے سے گانٹو تک پہنچے۔ جہاں احتیاط نہیں ہوتی وہاں لالچ طاعون لے آتا ہے۔

۳۸۔ مال چوری جانے کے بعد نگہبان کا ہاتھ کڑنا

ایک قافلے کا نگہبان اہل قافلہ کے مال و اسباب کی دیکھ بھال کیا کرتا تھا۔ ایک رات نگہبان پر نیند کا غلبہ ہوا اور چور تمام اسباب لوٹ لے گئے اور بچھونے پڑے وغیرہ جگہ جگہ زمین میں دفن کر دیے۔ جب صبح ہوئی اور اہل کارداں کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ گھوڑے، اونٹ، روپیہ پیسہ غائب ہے اور نگہبان ہات دھوت کر کے

بڑے غصے میں چابک پھنکار رہا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیوں بھئی یہ تو تاکہ مال واپس کیا ہوا؟ اس نے کہا چور نقاب ڈالے آئے اور میرے سامنے تمام سامان اٹھا کر چل دیے۔ لوگوں نے کہا کہ ارے ریت کے ٹیلے اس وقت تو کیا کر رہا تھا۔ تو بھی غیبِ نالائق آدمی ہے۔ نگہبان نے جواب دیا کہ میں ایک تھا وہ بہت تھے اور اُن کے پاس ہتھیار اور بڑا کڑو فرتھا۔ لوگوں نے کہا اگر جنگ میں تو اُن سے سربر نہ ہو سکتا تھا تو کم از کم آواز دے کر اہل کارواں کو تو اٹھا دیتا۔ نگہبان نے کہا اس وقت انہوں نے مجھے چھری اور تلوار دکھائی کہ چپکا پڑا رہ ورنہ تجھ کو مار ڈالیں گے۔ اُن کے ڈر سے میں نے منہ بند کر لیا تھا۔ اس کے بدلے اب فریادِ ادرہات دھوت کر رہا ہوں۔ اس وقت تو دم مارنے کی ہمت بھی مجھے نہ تھی اب جتنا ممکن ہے بات دھوت کر لیتا ہوں۔ ساری عمر رسوا کرنے والے شیطان کی نذر ہو چکی۔ اب اعوذ اور سورۃ فاتحہ پڑھنا بے مزہ ہے۔ اگرچہ اب بے مزہ ہے لیکن پھر بھی غفلت میں رہنا اس سے زیادہ بے مزہ ہے۔

۳۹۔ ایک مخمور ترک کا گویے کو طلب کرنا

ایک عجیبی ترک صبح سویرے بیدار ہوا۔ رات کی شراب کا خمار اور بے کسفی کی حالت تھی اس میں ایک گویے کو طلب کیا۔ مست کی گزک اور قوتِ راگ ہی ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو گویا پھر متوالا کر دیتا ہے۔ گویے نے اس مدہوش ترک پر راگ کے پردے میں یہ اسرار کھولنے شروع کر دیے کہ میں نہیں جانتا کہ تو کہاں ہے اور میں کہاں۔ میں نہیں جانتا کہ تو مجھے کیوں اپنی طرف کھینچتا ہے۔ علیٰ ہذا تمام مضامین "میں نہیں جانتا" کے بیان کرتا رہا اور می ندانم می ندانم

گاتا رہا۔ جب گویے کی می ندانم حد سے زیادہ ہوئی تو وہ ٹرک بیزا رہو کر غضب آلود ہو گیا اور مارنے کے لیے گزراٹھایا۔ مگر سوچا کہ اس وقت مطرب کو مار ڈالنا درست نہیں بلکہ پوچھا کہ تو نے یہ بے مزہ می ندانم کی کیا رٹ لگائی ہے۔ اب میں تیرا سروڑ دوں گا۔ اسی دلال کیا تو کچھ بھی نہیں جانتا۔ اے بیہودہ وہ سنا جو تو جانتا ہے۔ می ندانم می ندانم کو ختم کر۔ میں پوچھتا ہوں کہ تو کہاں کا رہنے والا ہے اور تو کہتا ہے کہ نہ بلخ کا ہوں نہ ہرات کا، نہ روم کا نہ ہندکا، نہ چین کا نہ شام کا، نہ عراق کا نہ بغداد کا نہ موصل کا۔ اسی طرح نہیں نہیں کو لمبا کھینچتا ہے اور کام کا جواب نہیں دیتا۔ اگر میں پوچھوں کہ تو نے صبح کو کیا کھایا ہے اور تو جواب دے کہ نہ شراب نہ کیاب نہ ترکاری نہ پیر نہ پیاز، دودھ نہ شکر نہ شہد۔ ارے تو نے جو کچھ کھایا ہے بس اسی کا نام بتا۔ جو نہیں کھایا اس کا کیا ذکر کرتا ہے؟ گویے نے کہا کہ میں نے تیری نفی کی تاکہ تو اثبات کو پا جائے میں اس سارے کو نفی سے شروع کرتا ہوں جب تو مرے گا تو موت اہل راز فاش کرے گی۔ تو نے بہتیری جان کھو دی مگر اب تک پردے میں ہے کیونکہ اہل نکتہ مرنا تھا وہی تجھ سے نہ ہو سکا جب تک بیڑھی پوری نہ ہو اس وقت تک کوٹھے پر نہیں پہنچ سکتا۔ اور اگر سوگزیں سے ایک گز بھی رسی کم ہو اور ڈول رسی باندھ کر کنویں میں ڈالا جائے تو اس میں پانی کیونکر آئے گا۔

۴۰۔ ایک شاعر کا روز عاشورہ حلب میں پہنچنا

عاشورہ کے روز اہل حلب باب انطاکیہ میں رات کو جمع ہوتے ہیں شیعہ لوگ رات بھر وہاں نوحہ دہکا کرتے اور کربلا کا عاشورہ یاد کرتے ہیں۔ یزید و عمر کے مظالم

سے جو کچھ اس خاندان پر گزری ان تمام مصیبتوں اور آزمائشوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اس قدر چنچیں اور نعرے لگاتے ہیں کہ سارا جنگل اور میدان گونج اٹھتا ہے۔ قضا را ایک پردیسی شاعر عاشورہ کے دن وہاں پہنچا اور رونے دھونے کی آوازیں سنیں۔ آبادی سے نکل کر اسی طرف چلا جس طرف سے نوحہ دُبکا کی آوازیں آ رہی تھیں بڑی رصدلی اور ہمدردی کے جوش میں پوچھتا پوچھتا جا رہا تھا کہ یہ کاہے کا غم ہے اور یہ ماتم کون کر رہا ہے۔ شاید کوئی بڑا امیر مر گیا ہے کیونکہ اتنا بڑا مجمع معمولی نہیں ہے۔ اس امیر کا نام اور اوصاف مجھے بتاؤ کیونکہ میں مسافر ہوں۔ میں اس کی مہربانیوں اور احسانات پر مرثیہ لکھوں گا۔ کسی نے کہا ارے دیوانہ ہو گیا ہے۔ توشیعہ نہیں بلکہ خانہ رسالت کا دشمن معلوم ہوتا ہے۔ تجھے اتنا بھی نہیں معلوم کہ آج عاشورے کا دن ہے اور ایسی روح پاک کا ماتم ہے جو اپنی صدی کی سب روحوں سے افضل تھی۔ بھلا مومن کے نزدیک یہ واقعہ کیسے حقیر ہو سکتا ہے۔ جسے کان سے محبت ہوگی اسے بالی سے محبت ضرور ہوگی۔ شاعر نے کہا یہ تو سچ ہے مگر اب زبید کا زمانہ کہاں رہا اور یہ غم کس زمانے میں گزرا اور کتنی مدت میں یہاں تک پہنچا کیا تم اب تک سوتے رہے کہ اس وقت ماتم میں کپڑے پھاڑتے ہو۔ ای غافلو! تم اپنا ماتم کرو کیونکہ تمہاری غفلت موت سے بدتر ہے۔ ایک بادشاہ کی رنج قید خانے سے چھٹی، ہم کیوں کپڑے پھاڑیں اور کیوں ہاتھ چبائیں؟ چونکہ وہ بزرگ دین کے بادشاہ گزرے ہیں، اس لیے یہ تو خوشی کا موقع ہے کہ انہوں نے قید و بند توڑے اور ابدی سلطنت کی طرف چل نکلے اور قید خانے کی زنجیروں کو یہیں چھوڑ گئے۔ اگر تو ذرہ بھر بھی ان سے واقف ہے تو اب تو زمانہ ان کی حکومت اور خود مختاری کا ہے۔ اب اس پر رونائیکسا؟



۴۱۔ غیر آباد مکان کے دروازے پر ایک شخص کا بھیریں لالینا

ایک شخص کسی حویلی کے دروازے پر بھیریں گا رہا تھا حالانکہ ابھی آدھی رات آئی تھی۔ اس سے ایک کہنے والے نے کہا کہ بھائی! تو بھی عجب بے صبر ہو۔ آدھی رات کو گلا چیرے جاتا ہے، یہ بھیریں صبح ہوتے گائیو۔ دوسرے ذرا یہ تو دیکھ بھال لے کہ اس گھر میں کوئی ہو بھی یا نہیں۔ یہاں تو سولے بھوت پریت کے اور کوئی نہیں تو اپنا وقت ناحق خراب کرتا ہے۔ تیرا گانا سمجھنے اور مزہ لینے کو صاحب ہوش چاہیے سو یہاں صاحب ہوش کہاں ہے۔ اس نے جواب دیا کہ غلام سے جو اب سن لیجئے تاکہ آپ کو میری حرکت پر حیرت نہ رہے۔ اگرچہ اس وقت آپ کی حس آدھی رات محسوس کر رہی ہے لیکن میرے نزدیک یہ وقت صبح صادق کا ہے اور ساری راتیں میری آنکھوں میں دن ہو گئی ہیں۔ اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ حویلی اور جلو خانے میں کوئی نہیں ہے، طبل کیوں بجاتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص آگاہ ہو وہ دوست کے گھر کو دوست سے آباد دیکھتا ہے۔ اور بہت سے مکان بھرے پُرے ہیں لیکن انجام میں نگاہوں کو خالی نظر آتے ہیں۔

۴۲۔ ایک بیمار کا صوفی وقاضی کے چانٹنا لگانا

ایک شخص طبیب کے پاس گیا اور کہا کہ ذرا میری نبض دیکھ دیجیے۔ طبیب نے نبض ہاتھ میں لی اور جان گیا کہ اس مریض کی صحت کی امید نہیں۔ اس سے کہا کہ جو تیرے جی میں آنے وہ کہہ کر، تاکہ تیرے جسم سے یہ بیماری جاتی رہے۔ اس مرض کے لیے صبر و پرہیز کو نقصان سمجھو اور جس کام کو تیرا دل چاہے وہ ضرور کر۔ بیمار نے

کہا کہ خدا تجھے اچھا رکھے۔ اور بھائی اب تو میں نہر کے کنارے جاتا ہوں۔ نہر کے کنارے ایک صوفی بیٹھا ہاتھ منہ دھورہا تھا یا ایک جو اس مریض کے جی میں آئی تو صوفی کی گدھی پر ایک چائٹے کا ہاتھ صاف کیا کیونکہ اس نے سوچا کہ چائٹا لگانے کی رغبت ہے، اب اس رغبت کو پورا نہ کروں گا تو طبیب کہ چکا ہے کہ بیماری بڑھ جائے گی۔ جو نہی اس نے تڑاق سے ایک چائٹا رسید کیا صوفی تڑپ کر کھڑا ہو گیا اور ارادہ کیا کہ دو تین گھونٹے کس کر لگائے اور داڑھی مونچھ اکھاڑ دے لیکن نظر بھر کے جو دیکھا تو وہ بہت منحنی اور بیمار تھا۔ سوچا کہ یہ اس قدر کمزور ہے کہ اگر ایک گھونٹا بھی لگاؤں تو شاید اس کا دم نکل جائے گا۔ مرض الموت نے اس کا پہلے ہی کام تمام کر دیا ہے وہ تو میرے ایک گھونٹے میں رائی کی طرح پگھل جائے گا اور لوگ سارا الزام مجھ پر دھریں گے۔ یہ سوچ کر اس کا دامن تھام لیا اور کھینچتا ہوا قاضی کے پاس لایا کہ اس بے نصیب گدھے کو گدھے پر بٹھایا جائے یا چائٹے کے بدلے اس کو ڈرے کی سزا دی جائے، بہر حال جو آپ کی رائے ہو وہ کیجیے۔ قاضی نے کہا کہ ہمارے کا مقام کونسا ہے کیونکہ تیرا دعویٰ ابھی ثابت نہیں۔ احکام شرع زندوں اور سرکشوں کے لیے ہیں مرنے والوں پر احکام شرع نافذ نہیں ہو سکتے اس کو گدھے پر بٹھانا بھی مصلحت نہیں۔ جھلا سوکھی لکڑی کو کون گدھے پر بٹھاتا ہے اس کے بیٹھنے کے لیے گدھے کی پیٹھ سزاوار نہیں۔ اس کی سواری کو تابوت سزاوار ہے۔

صوفی نے کہا تو کیا آپ جائز سمجھتے ہیں کہ وہ مجھے چائٹا بھی لگائے اور کوئی سزا بھی نہ پائے۔ کیا یہ جائز ہے کہ ہر راستہ چلتا بازاری آدمی صوفیوں کو بے وجہ بے سبب چائٹا لگا دے؟ قاضی نے کہا ارے جا صوفی کا کیا گیا، ایسے قریب الموت بیمار سے جھگڑا امت کر۔ اور صوفی اس وقت تیرے پاس کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ چھو درم میرے پاس ہیں۔ قاضی نے کہا تین درم تو خرچ کر

اور باقی تین درم اسے دے دے۔ یہ بے حد کمزور، بیمار اور مسکین ہو۔ تین درم اس کو روٹی کھانے کے کام آئیں گے۔

یہ سن کر صوفی بہت بگڑا اور قاضی سے روڈ و قدح ہونے لگی لیکن ادھر اس بیمار کا بُرا حال تھا۔ قاضی کی گڈی پر جو اس کی نظر پڑی تو دیکھا کہ وہ صوفی کی گڈی سے بھی زیادہ کلنی اور اچھی تھی۔ چائے کے لیے ہاتھ تانا اور کان میں بات کہنے کے طور پر قاضی کے پاس آیا اور تڑاق سے ایک چائٹا قاضی کے بھی رسید کر دیا اور کہا کہ وہ چھو درم تم دونوں ہی بانت لو تاکہ میں بے خر ختنے اور بے وسوسے چلا جاؤں؛ اس حرکت پر قاضی مارے غصے کے بے قابو ہو گیا اور چاہا کہ اس کے فوراً ڈرے لگولے۔ صوفی نے کہا کہ ہائیں! اے شریعت پناہ، تمہارا حکم عین انصاف ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کر سکتا جو بات تو اپنے لیے نہیں پسند کرتا وہی بات اپنے بھائی کے حق میں کیسے تجویز کر رہا تھا۔

۳۴۔ سلطان محمود کا ایک ہندو غلام کو

تخت پر بٹھانا اور اس غلام کا رونا

اے فرزند، میں نے جو جو تیری لفرشیں بیان کی ہیں اسی قسم کی عطار سے بھی سُنی ہیں۔ اُن درجۃ اللہ علیہ نے محمود غازی کا ایک قصہ بیان کیا ہے کہ سلطان کو ہند کی جنگ میں ایک لڑکا ہاتھ آیا۔ سلطان نے اسے اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا۔ اس لمبے چوڑے قصے کی خوبی درخوبی تو اُن بزرگ کے کلام ہی سے دھونڈ و مختصر یہ کہ ایک بار اسے تخت شاہی پر بٹھا یا وہ تخت زرنگار پر اس شہریار کے بازو ہو بیٹھا لیکن وہ لڑکا تھا

کہ پھوٹ پھوٹ کر رہا تھا۔ اور آنسوؤں کی جھڑی برسار رہا تھا۔ سلطان نے اس سے کہا کہ اقبال مند! تو کیوں روتا ہے۔ کیا یہ عزت و اقبال تجھے ناگوار ہے کہ ساتویں آسمان سے بھی بلند درجے پر سلطان کے پاس تو بیٹھا ہے۔ تو تخت پر بیٹھا ہے اور تمام امیر وزیر اور اہل فوج تیرے تخت کے اطراف چاند سورج کی طرح صف باندھے کھڑے ہیں۔ لڑکے نے کہا کہ یہ رونا اس لیے ہے کہ میری ماں میرے وطن میں مجھے ہمیشہ سلطان کے نام سے ڈرایا کرتی تھی کہ خدا کرے تو مجھ کے ہاتھ میں گرفتار ہو جائے۔ اس وقت میرا باپ میری ماں کو روکا کرتا تھا کہ یہ تمہارا کیسا غصہ ہے کہ بچے کو ایسی بددعا دیتی ہو۔ تم بڑی سنگدل اور بے رحم ہو کہ سیکڑوں تلواروں سے اُس کو خود ہی قتل کرتی ہو، میں دونوں کی بحث و تکرار سے بہت حیران ہوتا تھا اور میرے دل میں بڑا خوف اور غم پیدا ہوتا تھا کہ ای پاک پروردگار محمود کس دوزخ سے نکلا ہو کہ اس کے ہاتھ بڑا ناسب سے سخت عذاب سمجھا جاتا ہے۔ ای سلطان میں آپ کے خوف سے کانپ اٹھا کرتا تھا اور اپنی اس جھوٹی بدگمانی پر آج روتا ہوں اور حسرت کرتا ہوں کہ اب میرے ماں باپ کہاں ہیں کہ مجھے اس حال میں دکھیں کہ شاہ جہاں کے تخت پر بیٹھا ہوا ہوں۔

ارے تنگ فطرت! یہ فقر ہی محمود ہے جس سے تیری طبیعت ہمیشہ ڈرتی رہتی ہے۔ اگر تو اس محمود کے رحم و کرم سے آگاہ ہو جائے تو بڑی خوشی سے اپنی آخرت فقر پر ہونے کی دعا کرنے لگے۔

۴۴۔ درزی کا ایک مدعی ترک کے کپڑے سے ٹکڑے چرانا

تم نے نہیں سنا کہ کوئی شیریں گفتار ایک رات بارہن میں بیٹھا درزیوں کی ٹکڑے

کر رہا تھا اور لوگوں کو اس گروہ کی چوریوں کے قصے سن رہا تھا۔ اس نے اچھا خاصہ درزی نامہ پڑھ ڈالا اور خلقت اس کے اطراف جمع ہو کر سنتی رہی۔ سننے والوں کو جس قدر دلچسپی ہو رہی تھی اسی قدر وہ بھی مزے لے لے کر بیان کر رہا تھا بلکہ سراپا حکایت بن گیا تھا۔ جب اُس نے درزیوں کی بہت سی چوریوں کے حالات سنئے کہ یہ مٹکا کس کس طرح لوگوں کو ٹھگتے اور نقصان پہنچاتے ہیں تو سننے والوں میں سے ملک خطا کا ایک ترک اُن کی بد معاشیوں پر بالکل آپے سے باہر ہو گیا۔ اُس نے پوچھا کہ اے داستان گو! یہ تو بتا کہ تمہارے شہر میں کونسا درزی مکرو دغا میں سبکا اُستاد ہے۔ اُس نے کہا کہ ایک درزی پورستش نامی بڑا زہر کا بچھا ہوا ہے اور ہاتھ کی صفائی میں گاہک کا قاتل ہے۔ ترک نے کہا کہ میں شرط کرتا ہوں کہ چاہے وہ کتنے ہی بہانے کرے وہ میرے کپڑے میں سے ایک تار بھی نہ لے سکے گا۔ لوگوں نے کہا کہ اے بھائی تجھ سے زیادہ ہوشیار لوگ اس سے مات کھا چکے ہیں تو اپنی عقل پر دھوکا نہ کھا، کہیں تو اُس کے چال چکر میں آکر بالکل لٹ نہ جائے؟ اب تو ترک بپھر گیا اور شرط بد کر اپنا مال گروی رکھا اور کہنے لگا کہ اجی کیا نیا اور کیا پڑنا مجھ سے وہ کچھ چرانہ سکے گا۔ شہ دینے والوں نے اور بھی ترک کو بے آپے کر دیا اور اس نے بھی گھوڑا گروی رکھ کر شرط بدی کہ اگر وہ درزی میرا ذرا سا بھی کپڑا چولے تو یہ تازی گھوڑا ہار دوں گا اگر نہیں چراسکا تو تم کو ایسا ہی گھوڑا میرے حوالے کرنا پڑے گا۔ غرض شرط طحی ہو گئی اور ترک کو مارے پیچ و تاب کے رات بھر منید نہیں آئی اور اسی کے خیال میں الجھتا رہا۔ صبح ہوتے ہی ایک اطلس کا کپڑا بغض میں دبایا اور بازار میں اس دغا باز کی دکان پر پہنچا۔

درزی نے جو اس نوار دگا ہک کو دیکھا تو بہت ادب سے کھڑے ہو کر سلام کیا اور خوش آمدید کہی۔ ترک کے مرتبے سے کہیں زیادہ تعظیم سے پیشش آیا

یہاں تک کہ ترک کے دل میں ایک قسم کی مردّت پیدا ہو گئی اور اس نے اپنی اتہنولی اطلس اس کے آگے رکھ دی اور کہا کہ اس اطلس کی ایک قباقطع کر جو میدانِ جنگ میں پہننے کے لائق ہو۔ اوپر کا حصّہ تنگ ہو کہ جسم پر پہنسا ہوا رہے اور نچلا حصّہ ذرا کشادہ رہے اور ایسا کہ پیروں میں دبنے نہ پائے۔ درزی نے دونوں آنکھوں اور سینے پر ہاتھ رکھے اور عرض کی کہ سرکار میں ہر طرح کی خدمت کو حاضر ہوں۔ کپڑے کو ناپا اور قطع کرنے کے لیے جگہ جگہ نشان لگائے اور ساتھ ساتھ میٹھی میٹھی باتیں کرتا رہا بڑے بڑے امیروں کے واقعات اور ان کی بخشش اور انعام اور خلیوں کے قصّے ان کا ٹھٹھلاپن بھی ہنسانے کے لیے بیچ بیچ میں کہتا گیا۔ انھیں حکایتوں میں ایک قصّہ ایسا ہنسانے والا سنایا کہ وہ ترک ہنٹے ہنٹے لوٹ گیا۔ جب وہ اس داستان پر ہنٹے لگا تو اس کی جھوٹی آنکھیں اور بھی بند ہو گئیں۔ درزی نے جھٹ ایک ٹکڑا کپڑے کا چڑا کر ران کے نیچے اس طرح دبایا کہ سوائے خدا کے اسے کوئی نہ دیکھ سکا اور خدا اگر چہ سب چالاکیاں دیکھتا ہے مگر اس کی صفت تو ستاری ہے۔ البتہ اگر حد سے زیادہ ہو جائے تو بھانڈا پھوڑ دیتا ہے۔ غرض داستان کے مزے میں وہ ترک اپنے اصلی قصد اور دعوے کو بھول گیا۔ کدھر کی اطلس کہاں کا دعوے اور کیسا شرط میں بدا ہوا گھوڑا۔ وہ ٹھٹھے اور مذاق میں سب سے غافل ہو گیا اور درزی کی خوشامد کرنے لگا کہ خدا کے واسطے ایک مذاق کا قصہ اور سناؤ اس سے میرا جی بہل رہا ہے۔ درزی نے ایک بے اختیار کر دینے والا قصہ اور سنایا کہ وہ ماے تہقہوں کے چت ہو گیا۔ درزی نے بڑی صفائی سے اطلس کا ایک اور ٹکڑا کتر کر نیفے میں چھپا لیا اور ترک تو منہسی میں دیوانہ ہی ہو رہا تھا اور اُسے ذرا خبر نہ ہوئی ایسی طرح تیسری دفعہ بھی اس ترک خطائی نے درخواست کی کہ برائے خدا ایک دل لگی کا قصہ اور سناؤ اس نے پھر ایک قصہ سنایا کہ ترک پھر ک اٹھا اور بالکل درزی کا

شکار ہو گیا۔ مُرک کی آنکھیں بند، عقل رخصت اور ہوش و حواس غائب۔ مارے قہقہوں کے لوٹا جاتا تھا۔ اب کے تیسری دفعہ پھر اس قبائے کے کپڑے میں سے ایک بیٹی درزی نے چرائی کیونکہ مُرک کی ہنسی کی وجہ سے چرانے کی گنجائش کافی مل گئی تھی جب چوتھی مرتبہ اس مُرک نے درزی استاد سے دل لگی کا فسانہ سنانے کی خواہش کی تو درزی کو اس مُرک کے حال پر رحم آگیا اور کہنے لگا کہ سرکار! بس اب دل لگی کو چھوڑو۔ اگر اور قصہ سناؤں گا تو آپ کو عمر بھر حسرت رہ جائے گی۔

اب اس قصے کا نتیجہ سن۔ وہ بے خوف مُرک تو ہی ہے۔ اور یہ عیار دنیا درزی ہی جو اطلس کی قبا تقویٰ اور نیکی کے لیے تجھے سلوانی تھی، وہ مذاق اور قہقہوں میں برباد ہو گئی۔ اطلس تیری عمر، مذاق اور قہقہہ نفسانی جذبات ہیں، دن رات قینچی ہیں اور دل لگی کی رغبت تیری غفلت ہے۔ گھوڑا تیرا ایمان ہے اور شیطان گھات میں لگا ہوا ہے لہذا اپنے ہوش و حواس ٹھیک کر اور انسانے کے ظاہر کو چھوڑ تیری عمر کی اطلس کو زمانے کی قینچی سے مکار درزی مکرے مکرے کر کے چرائے لیے جا رہا ہے۔

۴۵۔ ایک شخص کا شیخ ابوالحسن خرقانی کی

زیارت کو آنا اور ان کی بیوی کی بدزبانی

شہر طالقان سے ایک فقیر خرقان کو حضرت شیخ ابوالحسن کی شہرت سن کر گیا۔ بڑے بڑے پہاڑوں اور جنگلوں کو طے کر کے حضرت شیخ کے دیکھنے کو حاضر ہوا جب منزل مقصود تک پہنچا تو حضرت کا مکان ڈھونڈ کر پہنچا بڑے عجز و نیاز کے ساتھ اُس نے کندی کھٹکھٹائی تو ایک عورت نے دروازے سے باہر سر نکالا اور پوچھا کہ آپ

کس کو بلاتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں حضرت شاہ ابوالحسن کی قدم بوسی کو حاضر ہوا ہوں۔ اس عورت نے ایک فرمائشی قہقہہ لگایا اور کہا کہ اس ڈاڑھی پر آخ تھوہڑی۔ اتنا بڑا سفر کر کے یہاں تک پہنچا ہے کیا تجھے اپنے وطن میں کوئی اور کام نہ تھا۔ یا تو دیوانہ ہو یا غالباً شیطان نے تجھے بہکایا ہے۔ الغرض اس عورت نے بہت سی نامناسب باتیں کہیں جن کو میں یہاں بیان نہیں کر سکتا۔ اس کے آوازوں تو اوزوں سے وہ مُرد بڑے رنج اور پریشانی میں پڑ گیا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے مگر پھر پوچھا کہ خیر یہ تو سب سہی مگر وہ بادشاہ ہیں کہاں؟ اس عورت نے کہا کہ وہ دھوکے باز زباہر دپیا، سیو قوفوں کا جال اور گراہی کی مکند ہے۔ اگر تو اس سے نہ ملے اور صحیح سلامت واپس ہو جائے تو بہتر ہے۔ کہیں تو بھی اس کے چکر میں نہ پھنس جائے۔ ایسا بڑ بولا، خوشامدی اور مفت خور ہے کہ سارے ملک میں شہرت ہو گئی ہے۔ اس قوم کے لوگ سبلی اور گوسالہ پرست ہیں جو ایسی گائے کو پچکار تے اور اس کی خدمت کرتے ہیں۔ افسوس کہ موسیٰ کے اُمتی تو اب تک گوسالہ پرستوں کو قتل کریں اور ان مسلمانوں کا یہ حال ہو جائے۔ پیغمبر اور آپ کے اصحاب کا طریق کہاں رہا۔ وہ نمازیں اذکار و اشغال اور آداب عبادت کدھر گئے۔ ان لوگوں نے شریعت اور خوف خدا کو پیچھے ڈال دیا حضرت عمر کہاں رہتے کہ سختی سے امر معروف کرتے۔ یہ بد زبانی سن کر اس معتقد کو بہت غصہ آیا اور اُس نے بھی عورت کو خوب صلواتیں سنائیں اور اس کے بعد وہاں سے نکل کر ایک ایک سے پوچھتا پھرا کہ حضرت شیخ کہاں ہیں۔ ایک شخص نے خبر دی کہ وہ قطب زمانہ پہاڑیوں کی طرف جلانے کی لکڑی لانے گئے ہیں۔ وہ مسافر شیخ کے شوق نیا ز میں سیدھا ادھر ہی روانہ ہوا۔ آدمی کے ہوش و حواس کے آگے شیطان دسوسہ لایا کرتا ہے۔ جس سے چاند گرد میں چھب جاتا ہے۔ چنانچہ راستہ چلتے چلتے اسے بھی یہ دسوسہ آیا

کہ حضرت شیخ نے ایسی عورت کو اپنے گھر میں کیوں رکھ چھوڑا ہے۔ دو ضدوں میں باہم دگر محبت کیسے بھونکتی ہے اور ایسے امام زمانہ کے ساتھ بھی یہ شیطان موجود ہے یہ کیا معاملہ ہے۔ پھر وہ لاجول پڑھتا اور اپنے جی میں کہتا کہ شیخ پر اعتراض کرنا بہت بُرا ہے غرض اسی الجھن میں گرفتار چلا جا رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ شیخ نامدار ایک شیر پر سوار چلے آ رہے ہیں شیر پر لکڑیاں لدی تھیں اور لکڑیوں پر آپ بیٹھے تھے۔ ہاتھ میں ایک سانپ بطور تازیانے کے تھا۔ آپ نے مرید کو دُور سے دیکھا اور منہں کر کہا اے فریب خوردہ اس کی بات نہ مان۔ ان بزرگ نے اس کے نفس کی اُدھیڑن کو پالیا اور تمام احوال ایک ایک کر کے جو کچھ اس پر گزے تھے سب سنا دیے اس کے بعد بیوی کی لعنت ملامت کے واقعات حضرت نے خود ہی ارشاد فرما دیے۔ اور کہا کہ وہ میری بیوی ہے۔ اب تو خیال کر کہ اگر میں ایک عورت کی بد زبانی پر بھی صبر نہ کر سکتا تو یہ شیر نہ میری بیگار کیسے اٹھاتا؟

۶۱) مسلمان یہودی اور عیسائی کا ہم سفر ہونا

ایک اور فرزند ایک حکایت سن تاکہ تو خوش بیانی اور ہنر کے چکر میں نہ آئے۔ ایک سفر میں یہودی مسلمان اور عیسائی ہمراہ ہوئے۔ جب تینوں ہمراہی کسی منزل پر پہنچے تو کوئی بھلا آدمی ان مسافروں کے لیے حلوا لایا۔ تینوں مسافروں کے سامنے حسبہ شدہ حلوا رکھ دیا۔ وہ دونوں تو اس روز بد مضمی میں مبتلا تھے اور مسلمان روزے سے تھا۔ جب نماز شام کا وقت آیا تو مسلمان کو تو بہت بھوک لگی مگر ساتھیوں نے کہا کہ ہمارا پیٹ تو بھرا ہوا ہے۔ بہتر ہے کہ آج کی رات رکھ چھوڑیں اور کل اس کو کھائیں مسلمان نے کہا نہیں، اس کو تو تازہ ہی کھا لینا چاہیے، کل تک

صبر کون کرے۔ ان دونوں نے کہا کہ تیرا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ تو اکیلا کھا جائے اس نے کہا کہ ای دوستو! ہم تین آدمی ہیں جب اختلاف رائے ہو گیا تو بہتر ہے کہ آپس میں بانٹ لیں جو چاہے اپنا حصہ کھالے اور جو چاہے اٹھا رکھے مگر وہ کافر اس فکر میں تھے کہ وہ مسلمان رات بھر بھوکا مرے اور غم کھاتا رہے۔ چونکہ وہ خدا کی مرضی پر صابر بنا کر تھا ان دونوں کی ضد دیکھ کر خاموش ہو رہا پس تینوں سو گئے اور صبح بیدار ہو کر تیار ہوئے منہ ہاتھ دھو کر ہر ایک اپنی اپنی عبادت میں مشغول ہوا۔ مسلمان ہو یا یہودی، آتش پرست ہو یا بت پرست سب کا رخ اسی سلطان دو جہاں کی طرف رہتا ہے۔ بلکہ پتھر، خاک، پہاڑ اور پانی سب کو خدا ہی سے نسبت ہے۔ القصد جب ضروریات سے فارغ ہوئے تو ایک نے بات چھری کہ رات کو جس نے جو خواب دیکھا ہو وہ بیان کرے۔ جس کا خواب سب سے بہتر ہو یہ حلوا اسی کا ہے خواہ خود کھائے خواہ دوسروں کو شریک کرے، کیونکہ جس کی معرفت زیادہ ہو اس کا کھانا سب کے کھانے کے برابر ہے، اُس کی پُر ناز جان سب پر فوقیت لے جاتی ہے، باقیوں کو صرف اس کی خدمت گزار ہی کافی ہے۔ پس یہودی نے رات کو جو کچھ دیکھا اور جہاں جہاں پھرا تھا بیان کرنا شروع کیا۔ اُس نے کہا کہ میں خواب میں ایک طرف چلا جا رہا تھا کہ حضرت موسیٰ کی روح سے ملاقات ہوئی وہ میں حضرت کے پیچھے پیچھے کوہ طور پر پہنچا۔ ہم تینوں نور میں چھپ گئے تینوں سائے اس آفتاب کی روشنی میں چھپ گئے۔ اس کے بعد اس نور سے ایک دروازہ کھلا۔ اس نور میں سے ایک اور نور پھوٹا اور یہ دوسرا نور پھیلتا گیا میں بھی ہو سکی بھی اور کوہ طور بھی تینوں اس نور کی چمک میں گم ہو گئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ جب نور حق نے اس میں پھونک ماری تو وہ پہاڑ تین ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا جو سمندر میں گرے تو زہر جیسا کروڑا پانی میٹھا ہو گیا دوسری شلخ زمین پر گری تو آبِ رواں کا ایک چشمہ پیدا ہوا

خدا کی برکت سے پانی سب بیماریوں کا علاج ہے اور اس کی تیسری شاخ جو اڑی تو کعبے کے قریب عرفات پر گری۔ پھر اس بے ہوشی سے جو میں ہوش میں آیا تو دیکھا کہ طور اپنی جگہ پر جیسا کا دیا سا ہی ہے لیکن وہ موسیٰ کے پانوں کے نیچے برف کی طرح بگھل رہا تھا۔ نہ اُس کی کوئی چوٹی باقی رہی تھی نہ اس میں پتھر ملا پن تھا۔ اسے خوف کے پہاڑ زمین کے برابر ہو گیا تھا اور اس کی ساری بلندی نشیب میں تبدیل ہو گئی تھی۔ غرض اس قسم کی بہت سی باتیں اس یہودی نے بنائیں۔

اس کے بعد عیسائی نے کہنا شروع کیا کہ مجھے خواب میں حضرت مسیحؑ کا دیدار ہوا۔ میں اُن کے ساتھ چوتھے آسمان پر گیا جو اس آفتاب کا مرکز ہے۔ آسمانی قلعوں میں ایسے ایسے عجائبات ہیں کہ اس دنیا کے عجائبات کو اُن سے کوئی نسبت نہیں۔ اور یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ آسمان کی عظمت زمین سے بدرجہا زیادہ ہے۔

آخر میں مسلمان کی باری آئی تو بہت کس مساکر بولا۔ بھائیو! میں کیا بیان کروں۔ میرے خواب میں تو آج رات کو حضرت مصطفیٰ تشریف لائے۔ یہ سید سادات، رسولوں کے بادشاہ، دو جہاں کے فخر اور ہدایت کرنے والے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تیرے ساتھیوں میں ایک تو طور کو گیا کلیم اللہ کے ساتھ عشقِ الہی میں صرزد ہو گیا اور دوسرے کو حاکم زمانہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھ چوتھے آسمان پر لے گئے۔ لہذا اے بھائی، تو اُٹھ اور بس یہ حلوا کھائے۔ وہ دونوں صاحبانِ ہنر تو گھوٹے اڑاتے ہوئے نکل گئے اور اقبال اور مرتبے کا پردانہ انھیں مل گیا اور فرشتوں سے جا ملے تو نکلا اکیلا رہ گیا ہے۔ تو اس حلوے کے تھال پر ہی قناعت کر۔ میں نے ایسے بادشاہِ جہان کا فرمان پاتے ہی مجبوراً ساری روٹیاں حلوے کے ساتھ کھالیں۔ یہ سن کر یہودی اور عیسائی دونوں گھبرا کر بولے کہ اے حریص بے وقوف۔ سچ کہہ کیا تو اکیلا سا راحلوا کھا گیا۔ مسلمان نے جواب دیا کہ جب میرے سرکار نے حکم دیا

تو میرا کیا حوصلہ تھا کہ انکار کرتا۔ کیا تو یہودی ہونے کے باوجود موسیٰؑ کے حکم سے سرتابی کرے گا؟ اور تو عیسائی ہے تو کیا عیسیٰؑ کے بُرے یا بھلے احکام کی تعمیل سے منہ پھیر سکتا ہے؟ تو میں اپنے فخرِ انبیا کے حکم سے کیسے سرتابی کروں میں نے تو وہ حلو ا کھالیا اور اب گن ہوں۔ پس ان دونوں نے کہا کہ خدا کی قسم تو نے سچا خواب دیکھا اور تو نے جو دیکھا وہ ہمارے سو خوابوں سے بھی بہتر ہے۔ تیرا خواب عین بیداری ہے کہ بیداری میں اس کا اثر عیاں ہے ۛ

(۴۶) اؤنٹ، ہیل اور بھیڑ کا راستے میں گھانس کی ایک پولی پانا

اؤنٹ، ہیل اور بھیڑ نے ایک گھانس کا گٹھارا راستے میں پڑ پایا۔ بھیڑ نے کہا کہ اگر اس کو تقسیم کر لیں تو ہم میں سے کوئی سیر نہ ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ جس کی عمر زیادہ ہو اس کے کھانے کو اسے چھوڑ دیا جائے، کیونکہ حضرت مصطفیٰؐ کی حدیث ہے کہ بزرگوں کو مقدم رکھنا چاہیے پس بھیڑ نے ہیل اور اؤنٹ سے کہا کہ اے رفیقو! جب شرط یہ آٹھری تو چاہیے کہ ہر ایک اپنی اپنی عمر بتائے، جو سب سے زیادہ بوڑھا ہو وہ کھائے اور باقی نہ کھائیں۔ بھیڑ نے کہا کہ حضرت اسماعیلؑ کے زمانے میں میری چراگاہ وہیں تھی جہاں حضرت کو ذبح کرنے کے لیے لائے تھے۔ ہیل نے کہا کہ میں تجھ سے زیادہ عمر رسیدہ ہوں۔ میں تو اُس جوڑی کا ہیل ہوں جس کو آدمؑ نے سب سے پہلے جوتا تھا۔ جب ایسی عجیب باتیں اؤنٹ نے ہیل اور بھیڑ سے سُنیں تو سر جھکا کر منہ بڑھایا اور وہ پولی ہڑپ کر گیا اور کہا کہ مجھے تو اپنی عمر کی

بڑائی یاد رکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میرا جسم اور گردن کافی بڑی ہے۔

۱۴۴ شاہی منادی سن کر دلک

مسخرے کا گانو سے شہر کو دوڑنا

بادشاہِ ترمذ کے پاس ایک مسخرہ دلک بادشاہ کا بہت چہیتا تھا۔ ایک بار رخصت لے کر اپنے گانو گیا۔ اسی زمانے میں بادشاہ کو شہر سمرقند میں ایک اہم کام پیش آیا۔ بادشاہ نے منادی کرائی کہ جو شخص پانچ روز میں سمرقند میں جا کر جواب باصواب لے آئے گا میں اس کو اس قدر دولت بخشوں گا کہ نہال ہو جائے گا۔ اتفاق سے دلک مسخرے نے بھی اپنے گانو میں بیٹھے ہوئے یہ منادی سنی تو فوراً سوار ہوا اور ترمذ کو مارا مار پہنچا۔ اس قدر تیزی سے منزل طح کی کہ راستے میں دو گھوڑے مر گئے۔ راستے کے گرد و غبار میں اٹا ہوا، بالکل خلاف اوقات دربار شاہ میں داخل ہوا۔ سارے اہل دربار میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور بادشاہ کو بھی طرح طرح کے گمان ہونے لگے۔ شہر کے خاص و عام بھی پریشان ہو گئے کہ الہی نہ جانے اس شخص پر کیا پریشانی اور بلا آن پڑی ہے۔ یا تو کوئی زبردست دشمن ہماری طرف بڑھا آ رہا ہے یا پردہ غیب سے کوئی مہلک بلا آنے والی ہے کہ دلک مسخرہ اپنے گانو سے اس قدر مارا مار آیا ہے کہ راستے میں قیمتی گھوڑے تک مر گئے۔ بادشاہ کے محل پر مخلوق جمع ہو گئی تاکہ معلوم کرے کہ دلک مسخرہ اس قدر تیزی سے کیوں آیا ہے۔ اس کی جلدی، گھبراہٹ اور کوشش کو دیکھ کر شہر ترمذ کی خلقت میں ایک ہلکے دم مچ گئی۔ کوئی دونوں ہاتھ زانوؤں پر مار رہا تھا اور کوئی مارے دم کے داویلا

کر رہا تھا۔ اس عام بے چینی اور آنے والی مصیبت کے دہم سے ہر دل سوسوٹھ کے اندیشوں میں مبتلا تھا۔ ہر شخص اپنے قیاس کے مطابق نئی فال لیتا تھا۔ الغرض دلکھ مسخرے نے خاص بادشاہ سے ملنا چاہا۔ چنانچہ بادشاہ نے فوراً باریاب کیا۔ باہر جو کوئی اس مسخرے سے حال پوچھتا تھا وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر خاموشی کا اشارہ کرتا تھا۔ اُس کی اس پردہ داری سے لوگوں کا دہم اور بڑھ گیا اور سب حیران و ششدر رہتے کہ نہ جانے کیا اہم واقعہ ہے۔

آخر بادشاہ کے سامنے حاضر ہوا اور بادشاہ نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے جلد بیان کر؛ دلکھ مسخرے نے اشارے سے عرض کیا کہ ای بادشاہ زرا ٹھہر جاتیے تاکہ میرا سانس قابو میں آجائے۔ ذرا میرے ہوش و حواس ٹھیک ہوں کہ میں ایک عجیب حالت میں گرفتار ہوں؛ گھنٹہ بھر تک بادشاہ منظرِ باہیاں تک کہ طرح طرح کے دوسوسوں سے بادشاہ کا طلق اور منہ کڑوا ہو گیا بادشاہ نے دلکھ کو اس حال میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ ہمیشہ قسم قسم کے لطیفے اور مذاق زرا شا کرتا تھا اور بادشاہ کو خوش رکھتا۔ وہ بھرے جلیے میں اس قدر ہنستا تھا کہ بادشاہ دو دو ہاتھوں سے پیٹ پکڑ لیتا تھا۔ باوجود اس کے آج یہ حال ہے کہ چہرہ بالکل مُتا ہوا اور ٹمگین، اور ہاتھ منہ پر رکھ کر بادشاہ کو چپ رہنے کا اشارہ کرتا ہے۔ ان دنوں خود بادشاہ کے دل میں بھی ایک کھٹکا لگا ہوا تھا کیونکہ خرم شا بہت خونریز بادشاہ تھا۔ اس کا دارالسلطنت سمرقند تھا اور ایک بدتمیز وزیر اس کا مشیر کار ہو گیا تھا۔ اس بدبخت نے اس طرف کے کئی بادشاہوں کو جیلے بہانے سے او کیس جبراً لشکر کشی کر کے مروا ڈالا تھا۔ بادشاہ ترمذ بھی خرم شاہ سے خوف زدہ رہتا تھا۔ دلکھ کی ان حرکتوں سے اس خوف میں او پھٹکی پیدا ہو گئی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ جلد بیان کر کہ اصل بات کیا ہے۔ تیری اس قدر گھبراہٹ اور

خوف کس وجہ سے ہو؟ آخر دلکھ نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ میں نے گاٹو میں سنا کہ بادشاہ نے ہر طرف یہ منادی کرائی ہے کہ ایسا آدمی چاہیے جو ہمارا فرستادہ بن کر تین روز میں سمرقند جا پہنچے جب وہ پیغام کا جواب باصواب لے آئے گا تو اس کو دولت بے قیاس ملے گی۔ اس منادی کو سن کر اڑی بادشاہ میں آپ کے حضور میں اس لیے فوراً حاضر ہوا ہوں کہ عرض کروں کہ مجھ میں تو یہ تاب و توان نہیں۔ اور ایسی تیزی اور پھرتی مجھ سے تو ممکن نہیں، لہذا مجھ سے اس کام کے انجام دینے کی امید نہ رکھیے، بادشاہ نے کہا ارے تیری اس مستعدی پر لعنت، کہ سارے شہر میں فکر و تشویش پھیل گئی۔ اے بے وقوف تو نے اتنی سی بات کے لیے ساری چراگاہ میں آگ لگا دی۔

(۴۹) چوہے کی مینڈک سے دوستی اور اپنا پانٹو اُس کے پانٹو سے باندھ لینا

خدا کی کرنی یہ ہوئی کہ چوہے اور مینڈک میں ایک نندی کے کنارے دو ستان ہو گیا۔ دونوں کے دونوں ہر صبح وقت مقررہ پر ایک جگہ جمع ہو جاتے تھے۔ دونوں کا دل باہمی میل جول سے کشادہ ہوتا تھا اور آپس میں ایک دوسرے سے بات چیت اور قصہ بازی ہوتی تھی۔ یہ محبت یہاں تک بڑھی کہ چوہے نے مینڈک سے کہا۔ پیارے دوست میں اس تھوڑے سے مقررہ وقت میں جی بھر کر تجھ سے حکایتیں بیان نہیں کر سکتا۔ نماز تو پانچ وقت کی فرض ہے لیکن عاشقوں کا حال یہ ہے کہ وہ ہمیشہ نماز میں ہیں۔ وہ نشہ پانچ نمازوں سے قائم نہیں رہتا۔ تیرا کھڑا دیکھے بغیر ایک دم کو بھی صبر نہیں۔

یہ عین مرگت ہوگی اگر تو مجھے خوش کرے اور وقت بے وقت اپنی مہربانی سے مجھے یاد کرتا رہے۔ تو نے پورے دن میں صرف صبح سویرے ایک وقت ملنے کا مقرر کیا ہے لیکن میں ایک بار کے راتب پر قانع نہیں ہوں۔ پانی میں اترنا میرے امکان سے باہر کر دیا گیا ہے کیونکہ میری تخلیق خاک سے ہوئی ہے۔

آخر کار قرار یہ پایا کہ ایک لمبی ڈوری استعمال کریں تاکہ ڈوری کے کھینچنے سے اشارہ معلوم ہو۔ ڈوری کا ایک سرا میرے پاؤں میں بندھا رہے اور دوسرا سراتیرے پاؤں میں بندھا رہے تاکہ جب کبھی میں تجھے خشکی پر بلانا چاہوں تو اس ڈوری کو کھینچ کر اشارہ کر سکوں۔ مینڈک کے دل پر یہ تجویز گراں گزری اس نے اپنے جی میں کہا کہ دیکھو یہ مجھے قید و بند میں گرفتار کرتا ہے جب کسی کام سے کراہت آجاتی ہے لیکن وہ کام ہو جاتا ہے تو وہ آفت سے خالی نہیں ہوتا۔ پھر بھی دوست کی خاطر مینڈک نے یہ بات مان لی اور ہمارا چوہا ہانڈی کے کنارے مینڈک سے ملاقات کرنے جب ڈوری کھینچتا تو مینڈک باہر آجاتا تھا۔ بہت دن اس طرح گزر گئے قضا را فراق کا کوایکا ایک آن پہنچا تو چوہے پر جھپٹا مارا اور اس جگہ سے اڑا لے گیا۔ جب کوئے کے چٹھل میں چوہا ہوا میں بلند ہوا تو مینڈک بھی پانی کی تہ میں سے کشاں کشاں اوپر آیا۔ چوہا تو کونے کی چونچ میں تھا مگر مینڈک بھی ہوا میں لٹکا ہوا ہاتھ پیرا رہا تھا۔ خلقت دیکھ کر حیران تھی کہ اس مکتار کوئے نے پانی کے مینڈک کا شکار کیونکر کر لیا۔ بھلا یہ کوہ پانی میں کیسے گیا ہوگا اور پانی کا مینڈک کوئے کا شکار کیونکر ہو سکتا ہے۔ اور مینڈک یہ کہتا جاتا تھا کہ یہ سزا اس کی ہے جو کسی نااہل سے دوستانہ اختیار کرے۔ ہائے ہائے نااہل ہم نشین سے خدا بچائے۔

ای بزرگو نیک ہم نشین تلاش کرو

۵۰) سلطان محمود کا ایک رات چوروں کے ساتھ شریک رہنا

ایک رات کو سلطان محمود بھیس بدل کر نکلا اور چوروں کی جماعت کے ساتھ ہو گیا۔ جب کچھ دیر ان کے ساتھ رہا تو انھوں نے پوچھا کہ ای رفیق تو کون ہے؟ بادشاہ نے جواب دیا کہ میں بھی تمہیں میں سے ایک چور ہوں۔ اس پر ایک چور نے کہا بھائیو! آؤ ذرا اپنا اپنا ہنر تو بتاؤ۔ ہر شخص بیان کرے کہ وہ کیا خاص کمال رکھتا ہے۔ ایک نے جواب دیا کہ میرے دونوں کانوں میں عجب کمال ہے کہ گت جو بھونکتا ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ لوگ فلاں شخص کی امارت کا کیا چرچا کرتے ہیں۔ دوسرے نے کہا میری آنکھوں میں یہ کمال ہے کہ جس کسی کو رات کے اندھیرے میں دیکھ لوں تو دن کے وقت اس کو پہچان لیتا ہوں۔ تیسرے نے کہا میرے بازو میں یہ قوت ہے کہ صرف ہاتھ کی قوت سے کوئل لگاتا ہوں۔ چوتھے نے کہا میری ناک میں عجب وصف ہے۔ جگہ جگہ کی خاک سونگھ کر پہچان لیتا ہوں کہ کس جگہ دولت گڑی ہے۔ پانچویں نے کہا میرے پنجے میں وہ قوت ہے کہ جب کند پھینکتا ہوں تو محل چاہے کیسا ہی بلند ہو میری کند اس کے کنگورے کو پکڑ لیتی ہے۔ آخر میں سلطان سے مخاطب ہو کر ان سب نے پوچھا کہ بھائی اب تو بتا کہ تجھ میں کیا وصف اور کمال ہے۔ سلطان نے جواب دیا کہ میری ڈاڑھی میں یہ وصف ہے کہ جب مجرموں کو جلاؤ کے سپرد کرتے ہیں اس وقت اگر میری ڈاڑھی ہل جائے تو مجرم رہا ہو جاتے ہیں۔ سب چوروں نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہمارا سردار بس تو ہی ہے۔ کیونکہ مصیبت کے دن تیرے باعث ہم کو چھٹکارا نصیب ہو گا۔

اس کے بعد سب مل کر باہر نکلے اور سلطان کے محل کے پاس پہنچے۔ جب
 داتیں طرف کتا بھونکا تو پہلے چور نے کہا کہ بھائیو! یہ تو کہتا ہے کہ کوئی بادشاہ تمہارے
 آس پاس ہے۔ دوسرے چور نے مٹی سونگھ کر بتایا کہ اس کے قریب بادشاہی خزانہ
 ہے۔ پس کند پھینکنے والے نے کند پھینکی اور سب اس بلند دیوار کے دوسری طرف
 جا پہنچے، کوئل لگانے والے نے کوئل لگا کر سب کو خزانے کے اندر پہنچا دیا اور ہر ایک
 نے خزانے سے جو ہاتھ لگا وہ اٹھایا۔ اشرفیاں، زر و نعت کے تھان، موتی وغیرہ
 اٹھائے گئے اور ایک جگہ چھپا دیا۔ سلطان نے ان کی جائے پناہ اچھی طرح دیکھ لی
 اور ایک ایک کا حلیہ نام سب اچھی طرح معلوم کر لیا پھر اپنے کو سب کی نگاہوں سے
 چھپا کر واپس ہو گیا اور دوسرے دن چوری کا باجرا بیان کیا۔ اب کیا تھا بڑے
 بڑے طاقتور، تلوار لیے سپاہی دوڑ پڑے اور ہر سپاہی نے ایک ایک چور کو گرفتار
 کر لیا۔ وہ چور ہتکڑیاں پڑے ہوئے دربار میں حاضر کیے گئے جو اپنی جان کے خوف
 سے کانپ رہے تھے۔ جب تختِ سلطانی کے آگے کھڑے کیے گئے تو سلطان تو
 خود ہی چاند کی طرح رات کو ان کے ساتھ تھا۔ جو چور رات کے اندھیرے میں
 دیکھ کر دن کو پہچان لیتا، اُس نے بادشاہ کو تخت پر دیکھ کر ساتھیوں سے کہا کہ رات
 کی پھرائی میں یہ ہمارے ساتھ تھا۔ پس ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ اڑ چھپو! گشت
 کرنے والے بادشاہ! اب وقت آپہنچا کہ آپ ازراہِ کرم اپنی ڈارھی ہلائیں۔ ہم
 میں سے ہر ایک تو اپنا کمال دکھا چکا اور ان کمانوں سے بختی اور مصیبت ہی بڑھتی
 گئی یہاں تک کہ ہماری گردنیں بندھ گئیں۔ وہ سب ہنر و کمال کھجور کی ٹی ہوئی رسیا
 تھے جو ہماری گردنوں میں پڑے ہوئے ہیں اور موت کے دن ان سے کوئی مدد نہیں
 پہنچتی ہاں اس موقع پر اگر کوئی کام آیا تو وہی شخص جس کی آنکھ بادشاہ کو پہچان گئی۔
 محمود کو بھی رحم آگیا اور اس کی ڈارھی کے اشارے سے ان چوروں کی جان بچ گئی

اور انھیں معافی مل گئی۔

(۵۱) ایک بھڑکا حضرت کلیم اللہ سے ڈر کر بھاگنا

ایک بھڑکا حضرت کلیم اللہ سے ڈر کر بھاگی۔ آپ جو اس کے پیچھے دوڑے تو وہ اور بھاگی یہاں تک کہ تلاش اور تعاقب میں آپ کے جوتے ٹوٹ گئے اور پاؤں میں آبلے پڑ گئے۔ شام تک اس کو ڈھونڈتے رہے۔ آخر کار بھڑکا تھک کر سست کھڑی ہو گئی تو حضرت کلیم اللہ اس تک پہنچ گئے۔ پھر آپ نے اس کی گرد جھاری۔ آپ اس کے سر اور پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگے اور ماں کی طرح محبت سے پیش آ رہے تھے۔ آپ میں ذرہ برابر بھی غصہ نہ تھا۔ بلکہ اس بھڑکی تکان پر آنکھوں میں آنسو بھرا لائے اور اس سے کہنے لگے یہ مانا کہ تجھے مجھ پر رحم نہ آیا مگر یہ بنا کہ تو نے اپنے پر یہ تکلیف کیوں گوارا کی؟ اس وقت خدا نے ملائکہ سے ارشاد فرمایا کہ دیکھو، یہی شخص ہماری نبوت کے لائق ہے خود حضرت مصطفیٰ کا ارشاد ہے کہ ہر نبی خواہ جوان ہو خواہ بچہ اس کا گلہ بانی کرنا ضروری ہے۔ ان میں صبر و وقار پیدا کرنے کے لیے خدائے تعالیٰ نبوت سے پہلے ان کو گلہ بان بناتا ہے۔

(۵۲) ایک امیر کا گھوڑا خوارزم شاہ کو پسند آنا اور عماد الملک کی تدبیر

ایک امیر کے پاس ایسا خوبصورت گھوڑا تھا کہ خوارزم شاہ کے گلے میں بھی

اس کا ثانی نہ تھا۔ ایک روز وہ امیر سوار ہو کر جا رہا تھا۔ اتفاقاً خوارزم شاہ کی نظر اس پر پڑ گئی۔ اس کی دوڑ اور رنگ بادشاہ کی آنکھوں میں کھب گیا اور واپسی تک اسی گھوڑے پر ٹکنی لگی رہی۔ گھوڑے کے جس جوڑ بند پر نظر پڑتی تھی ایک سے ایک بہتر نظر آتا تھا۔ چستی، بشاشی اور اٹھلا کر قدم مارنے کے علاوہ خدانے اور نادر صفیں بھی اس میں رکھی تھیں۔ بادشاہ نے غور کیا کہ کیا بات ہے جو اسی گھوڑے کی خوبی اور کشش میری عقل کو متحیر کر رہی ہے۔ میں گھوڑوں سے سیر سپہم اور بے پروا ہوں اور میرے پاس ایسے ایسے دو سو سو جوں کی روشنی موجود ہے۔ ارے میں تو وہ ہوں کہ بادشاہوں کا چہرہ بھی مجھے پیادے کا چہرہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ معمولی جانور کیوں میری تیت بگاڑے دیتا ہے۔ لیکن اس کے سینے میں شوق بڑھتا ہی چلا گیا۔ جب بادشاہ سیر سے واپس ہوا تو سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسی وقت وہ گھوڑا امیر کے گھر سے لے آئیں۔ وہ جماعت آگ کی طرح جا دھنسی اور وہ امیر جو پہاڑ کی طرح وقار رکھتا تھا ایک گھاس کا تنکابن گیا۔ رنج اور بے عزتی کے غم سے اس کی جان لبوں پر آگئی۔ اب اس کو عماد الملک کے سوا کوئی پناہ نظر نہ آئی کیونکہ عماد الملک ہر مظلوم اور غمزدہ کا رفیق تھا۔ دربار میں کوئی امیر اس سے زیادہ باعزت نہ تھا اور بادشاہ اس کا نہایت ادب کرتا تھا۔ وہ بے طمع، شریف النسب اور پارسا، عبادت گزار، راتوں کو جاگنے والا اور سخاوت میں حاتمِ وقت تھا۔ صاحبِ تدبیر اور نیک دل تھا، اس کی رائے ہر معاملے میں آزمائی جا چکی تھی۔ وہ ہر محتاج کے لیے مثلِ باپ کے تھا اور سلطان کے پاس ہر ایک کا سفارشی تھا۔ وہ بڑوں کے لیے علم خدا کی طرح پردہ پوش تھا۔ اس کے اخلاق و عادات دوسروں سے جدا تھے کئی بار پہاڑ پر اکیلا جا بیٹھا۔ اور بادشاہ بڑی خوشامد درآمد سے واپس لایا۔

غرض وہ امیر سخت پریشانی میں عماد الملک کے پاس پہنچا اور کہا کہ چاہے

میرا سارا مال و متاع بادشاہ لے لے مگر وہ ایک گھوڑا جس پر میری جان فدا ہے اگر وہ مجھ سے چھین لیا گیا تو یقیناً میں مر جاؤں گا۔ چونکہ خدا نے اب آپ سے مجھے وابستہ کر دیا ہے لہذا اے مسیحا! ذرا آپ میرے سر پر ہاتھ رکھیے۔ عماد الملک یہ حال سن کر روتا اور آنکھیں مٹا بڑے حال احوال سلطان کے حضور میں پہنچا اور چپکامنہ بند کیے ہوئے کھڑا ہو گیا اور یہ دُعا کر رہا تھا کہ اے خدا اگر بادشاہ ٹیڑھا رہا آتے اختیاریا کرے تو سوائے تیرے کون بچا سکتا ہے۔ وہ اسی طرح دل میں دعائیں کرتا۔

طرح طرح کے اندیشوں میں مبتلا تھا کہ بادشاہ کے آگے سپاہی گھوڑے کو کھینچ کر لانے۔ سچ یہ ہے کہ آسمان کے نیچے ایسے قدادر قدم کا کوئی گھوڑا نہ تھا اس کا رنگ ہر آنکھ میں کھب جاتا تھا۔ جب بادشاہ تھوڑی دیر تک اس کو دیکھ دیکھ کر حیرت کرتا رہا تو اس کے بعد عماد الملک کی طرف مخاطب ہوا اور کہا کہ بھائی! یہ بھی کیا گھوڑا ہے۔ یہ تو بہشت کا معلوم ہوتا ہے زمین کا نہیں ہے۔ تب عماد الملک نے عرض کی کہ اے بادشاہ اگر آپ شیطان پر اقباط کریں تو فرشتہ ہو جائے اگرچہ یہ گھوڑا بہت خوب صورت اور بانگ جانور ہے مگر اس کا سرا لیے جسم پر بالکل بد نما ہے معلوم ہوتا ہے جیسے گائے کا سر لگا دیا ہے۔

اس بات نے خوارزم شاہ کے دل پر اثر کیا اور یکایک گھوڑا بادشاہ کی نظروں سے گر گیا۔ عماد الملک سے جو اس کی مذمت اور عیب سنا تو بادشاہ کے دل میں اس گھوڑے کی محبت پھیلنے لگی۔ اپنی آنکھ چھوڑی اور اس کی آنکھ اختیار کی۔ اپنے ہوش ترک کیے اور اس کی بات مانی۔ یہ بہانہ تھا۔ بات یہ تھی کہ اس صاحب دیانت بزرگ نے اپنے عجز سے بادشاہ کے دل کو سرد کر دیا اور بادشاہ کی آنکھ پر ایسے نکتہ کا پردہ ڈالا کہ جس سے چاند بھی ہو تو سیاہ نظر آئے۔ سلطان نے حکم دیا کہ فوراً گھوڑے کو واپس لے جاؤ اور اس ظلم صریح سے مجھے نجات دلاؤ۔

عماد الملک نے اس موقع پر جو چاہا کی وہ عین خیر و انصاف کے لیے کی۔ اس کو نیک انجام بہانہ کہتے ہیں لیکن تجھے چاہیے کہ بد اور نیک میں تمیز کرے۔

۵۳) صدر جہاں کا ایسے سائل کو کچھ نہ دینا جو زبان سے مانگے

شہر بخارا میں صدر جہاں کی داد و دہش مشہور تھی۔ وہ بے حد حساب دیتے تھے اور صبح سے شام تک ان کے دریائے فیض سے روپے اور اشرفیاں بہتی رہتی تھیں۔ کاغذ کے پرزوں میں اشرفیاں لپیٹی بہتی تھیں۔ جب تک وہ ختم نہ ہو جائیں اس وقت تک برابر دیتے رہتے تھے۔ صدر جہاں کا حال سورج اور چاند کا ساتھ تھا کہ جس قدر نور کی چمک ان کو حاصل ہوتی وہ سب دنیا پر تقسیم کر دیتے ہیں۔ خاک کو زربخشنے والا کون ہے۔ آفتاب ہی تو ہے، کان میں سونا اس سے دکتا ہے اور خنزیر انگر کہیں گڑا ہوا ہو تو سیاہ ہو جاتا ہے۔ ہر روز کے لیے ایک جماعت مقرر تھی تاکہ کوئی گروہ محروم نہ رہے۔ ایک دن مصیبت زدوں کے لیے دوسرا دن ہواؤں کے لیے تیسرا دن مفلس فقیروں اور گوشہ نشینوں کے لیے چوتھا دن محتاج ملاؤں کے لیے پانچواں دن عام مسکینوں کے لیے چھٹا دن قرض داروں کے لیے ساتواں دن یتیم بچوں کے لیے آٹھواں دن قیدیوں کے لیے، نواں دن مسافروں کے لیے، دسواں دن غلاموں کے لیے، گزشرط پہی تھی کہ کوئی شخص زبان سے کچھ نہ مانگے۔ بلکہ مفلس چپ چاپ اُس کے راستے میں صف باندھے دیوار کی طرح کھڑے ہیں۔ جو کوئی اتنا فاقا کوئی سوال کر دیتا تو اس جرم میں اُس کو کچھ نہ دیتے تھے بہانہ کہ ایک دن ایک بندھے نے کہا کہ بھوکا ہوں کچھ زکوٰۃ دے۔ لوگوں نے ہر چند اُس کو مانگنے سے

منع کیا لیکن وہ اڑ گیا۔ صدرِ جہاں نے کہا کہ تو بڑے شرم بڑھا ہو۔ اس بڑھے نے جواب دیا کہ مجھ سے زیادہ بے شرم تو ہو کہ اس جہاں کو خوب کھا گیا اور لالچ کر رہا ہو کہ اس جہاں کی نعمتوں کے ساتھ دوسرے جہاں کی نعمتوں کو بھی حاصل کرے۔ صدرِ جہاں کو بہت ہنسی آئی۔ اس بڑھے کو بہت دولت دی اور وہ اکیلے گیا۔ اس بڑھے کے سوا اور کسی سوال کرنے والے کو کبھی کچھ نہ دیا:

اب سنیے کہ ملاؤں کی باری کے دن اتفاقاً ایک ملا مارے حرص کے چلا اٹھا۔ لہذا اُسے کچھ نہ ملا۔ وہ ہر چند رو یا دھویا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ طرح طرح سے سوال کیے۔ مگر صدرِ جہاں کا دل نہ بسجا۔ دوسرے دن وہی شخص پاؤ کو تپیاں لپیٹ کر بیماریوں کی صف میں انجان جا بیٹھا۔ اُس نے پنڈلیوں پر چاروں طرف کھچیاں باندھ لیں تاکہ گمان ہو کہ اُس کے پیڑ ٹوٹ گئے ہیں مگر صدرِ جہاں نے اسے دیکھ کر پہچان لیا اور کچھ نہ دیا۔ تیسرے دن ایک لبادے میں منہ لپیٹا اور اندھا بن کر اندھوں کی صف میں جا کھڑا ہوا۔ جب بھی صدرِ جہاں نے پہچان لیا اور سوال کرنے کے جرم میں کچھ نہ دیا۔ جب ساری متکاریاں کر کے عاجز آ گیا تو عورتوں کی طرح ایک چادر سر پر اڑھی اور بیواؤں کے بیچ میں جا کر بیٹھ گیا۔ سر جھکایا اور ہاتھ چھپا لیے۔ جب بھی صدرِ جہاں نے اُسے پہچان کر کچھ نہ دیا۔ اس سے اُس کے دل میں غم کی آگ بھڑک اٹھی وہ کفن چور کے پاس سویرے ہی پہنچا اور فرمائش کی کہ مجھے ایک نمدے میں لپیٹ کر راستے کے کنارے جنازہ بنا کر رکھ دو۔ کسی سے کچھ نہ کہو۔ راہ تکتے ہوئے بیٹھے رہو۔ یہاں تک کہ صدرِ جہاں ادھر سے گزریں۔ ممکن ہو کہ وہ دیکھیں اور مردہ گمان کر کے تمہیں رو تکھین کے لیے کچھ اشرفیاں تابوت میں ڈال دیں جو کچھ ملے گا اس میں آدھا تجھیں دوں گا۔ اس کفن چور فقیر نے ایسا ہی کیا کہ اُس کو ایک نمدے میں لپیٹ کر راستے

میں رکھ دیا۔ جب معمول صدر جہاں ادھر سے گزرے تو انہوں نے چند اشرفیاں اس مندے پر ڈال دیں۔ ملانے گھبرا کر فوراً ہاتھ باہر نکالے کہ کہیں وہ کفن چور نہ اٹھایے اور خود ہی نہ اینٹھ لے۔ اس مردے نے مندے سے دونوں ہاتھ باہر نکالے اور ساتھ ہی سر بھی باہر نکالا اور صدر جہاں سے مخاطب ہو کر کہا، اے دروازہ کرم بند کرنے والے، دیکھا! آخر لے کر ہی چھوڑا۔ صدر جہاں نے جواب دیا کہ اے مردو! جب تک تو نہ مرا ہماری سرکار سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکا۔

۵۴) ایک بادشاہ کا ملا کو شراب پلانا

ایک بادشاہ رنگ رلیوں میں مصروف تھا کہ ایک ملا اس کے دروازے پر سے گزرا۔ حکم دیا کہ اس کو محفل میں کھینچ کر لاؤ اور زبردستی شراب پلاؤ۔ پس لوگ جبراً اس کو محفل میں کھینچ لائے۔ اور وہ آکر سانپ کے زہر کی طرح بالکل ترش و ہوموٹھا۔ شراب پینے کی تو اس نے قبول نہ کی۔ اور بادشاہ اور ساتی دونوں سے آنکھ پھیر لی اور بگڑ کر کہا کہ میں نے عمر بھر کبھی شراب نہیں پی۔ اس شراب پینے سے تو زہر پینا بہتر ہے، بجائے شراب کے مجھے زہر لاؤ۔ بادشاہ نے ساتی سے کہا کہ اے نیک قدم دیکھتا کیا ہے۔ ذرا اس کو بے تکلف تو کر، با عقل پر بھی ایک پوشیدہ حاکم ہے وہ جس کو چاہتا ہے اپنی حکمت سے آپے سے باہر کر دیتا ہے۔ ساتی نے ملا کے چند چانٹے لگائے اور کہا کہ خیر اسی میں ہے کہ شراب پیو! چانٹوں کے خوف سے وہ مصیبت زدہ فوراً شراب پی گیا اب کیا تھا وہ مست دے خود ہو کر ایسا خوش اور باغ کی طرح کھل گیا کہ بادشاہ کی نصیحت اور سخر این کرنے لگا۔ اسی حال میں پشاب کے لیے گیا۔ شاہی بیت الخلاء پر بھی ایک خوب صورت لونڈی مامور تھی۔ ملانے جو اسے دیکھا تو شراب کے نشے میں اور

بھی آپے سے باہر ہو گیا اور لگا اس لونڈی سے خرمیتیاں کرنے۔ اُس نے غل مچایا اور اُدھر ملّا کو واپس آنے میں دیر ہوئی تو بادشاہ خود اُدھر گیا اور یہ دیکھ کر کہ ملّا شرم و حیا زہد و تقویٰ سب کو چھوڑ کر خود اُس کی کینز سے دست درازی کر رہا ہے سخت ناراض ہوا۔ ملّا جلدی سے نکل کر پھر محفل میں آگیا اور فوراً شراب کا پیالہ ہاتھ میں لے لیا۔ بادشاہ دوزخ کی طرح آتش غضب و انتقام سے بھڑکنے لگا اور ملّا کے خون کا پیاسا ہو گیا۔ جب ملّا نے دیکھا کہ بادشاہ کا چہرہ مارے غصے کے لال اور جام زہر کی طرح تلخ ہو گیا ہے تو اُس نے ساتی کو لٹکا رکھا اور اُسے محفل گرم کرنے والے بیٹھا کیا دیکھ رہا ہے اُٹھ اور ذرا اس کو بے تکلف تو کر دے! بادشاہ ہنس پڑا اور کہا کہ اے شخص! میں تو بے تکلف ہوں، جاوہ چھو کر ہی تجھے بخش دی ۛ

۵۵) ایک شخص کا خواب دیکھ کر خزانے کی امید پر مصر کو جانا

ایک شخص کو درانت میں مالِ کثیر ہاتھ آیا۔ وہ سب کھا گیا اور خود ننگا رہ گیا سچ ہے کہ میراث کا مال نہیں رہا کرتا۔ جس طرح دوسرے سے الگ ہوا اسی طرح یہاں بھی جدا ہو جاتا ہے۔ میراث پانے والے کو بھی ایسے مال کی قدر نہیں ہوتی جو بے محنت اور تکلیف ہاتھ آجاتا ہے۔ اسی شخص نے بھی جان کی قدر اسی لیے نہیں ہے کہ حق نے تجھے مفت بخشی ہے۔ الغرض اس شخص کا نقد و جنس اور جاتداد سب قبضے سے نکل گئی۔ اور اُتووں کی طرح دیرانے میں رہنے لگا۔ اُس نے بارگاہِ الہی میں عرض کی کہ تو نے مجھے مرد سامان دیا تھا وہ جاتا رہا لہذا اب مجھے مرد سامان زندگی عنایت کر، یا

موت بھیج دے۔ اس دعا اور گڑ گڑا ہٹ میں اُس نے دونوں ہاتھ پیٹے۔ اُس نے رات کو بے محنت زر کی طلب تھی لیکن وہ کون ہے جو خدا کی رحمت کے دروازے کو کھٹکھٹائے اور اُس کی قبولیت میں سو بہاریں نہ پائے۔ اُس نے رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ کہتا ہے کہ تجھے شہرِ مصر میں دولت ملے گی تو مصر کو جا، وہاں تیرا کام بن جائے گا۔ خدا نے تیری گریہ و زاری کو قبول کیا فلاں گا تو میں ایک بڑا خزانہ ہے۔ اس کی تلاش میں تجھے مصر جانا ہوگا۔ فلاں بستی کے فلاں کو چے میں ایک نادر خزانہ دفن ہے۔ تو بغداد سے ہوتا ہوا فوراً مصر کو جا اور اسے حاصل کر۔

یہ خوش خبری سن کر کبرِ مہمت چُست ہو گئی اور اسی اُمید پر کہ فرشتے نے خزانہ بتایا ہے وہ شخص بغداد سے منزلیں طو کرتا ہوا مصر پہنچا لیکن وہاں پہنچے پہنچے اُس کے پاس پیسہ ٹکا کچھ نہ رہا اور ظالم پیٹ نے مجبور کیا کہ کسی سے سوال کرے۔ ہر چند شرم دامن پکڑتی تھی مگر بھوک نے بے حواس کر ڈالا تھا اپنے جی میں کہا بہتر ہے کہ رات کے وقت چُھپتا چُھپاتا باہر نکلوں تاکہ اندھیرے میں بھیک مانگنے سے شرم نہ آئے۔ میں نعرہ لگانے والے فقیر کی طرح دُور سے صدا دوں تاکہ کوٹھوں پر سے پیسہ دھیلی مل جائے۔ اسی سوچ میں باہر نکلا اور چاروں طرف ہچکچاتا ہوا پھرنے لگا۔ کبھی شرم اور اپنی قدیم عادت مانع آتی تھی اور کبھی بھوک دستِ سوال بڑھانے پر مجبور کرتی تھی۔ ایک پہر رات تک یہی حالت رہی کبھی قدم آگے بڑھا تا اور کبھی پیچھے ہٹا لیتا اور اپنے دل سے سوال کرتا کہ اب سوال کروں یا بھوکا پیسا سا سو جاؤں۔ اتفاق سے اس زمانے میں اہل شہر چوروں سے سخت پریشان اور تکلیف زدہ تھے۔ راتیں اندھیری اور کو تو ال شہر چوروں کی بڑی جستجو میں تھا یہاں تک کہ خلیفہ نے بھی حکم دے دیا تھا کہ جو شخص راتوں کو گشت لگا تا نظر آئے اگر میرا عزیز بھی ہو تو بھی اُس کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ اہل دربار نے بھی کو تو ال پر

طعنہ کیا تھا کہ تمھاری کوتوالی میں چور اس قدر زیادہ کیوں ہو گئے ہیں۔ بادشاہ نے عتاب کیا تھا کہ ان بد معاشوں کو گرفتار کرو ورنہ سب کی سزا تم کو ملے گی تاکہ اہل شہر اس آئے دن کی مصیبت سے نجات پائیں۔

غرض کوتوال تو غضب ناک تھا ہی اس شخص کو جو رات میں اس طرح دیکھتے اور چکر لگاتے دیکھا تو پکڑ کر خوب پٹیا کہ بنا تو کون ہے۔ اس فقیر مسافر نے بے اختیار چھینا چلانا شروع کیا اور کہا کہ ٹڈ مجھے نہ مارو جو اصل حقیقت ہے وہ میں بیان کرتا ہوں۔ کوتوال نے ہاتھ روک کر کہا کہ اچھا تو بتا کہ تو اتنی رات کو باہر کیوں نکلا تھا۔ تو یہاں کارہننے والا نہیں ہے۔ تو کہیں دُور کارہننے والا بد معاش معلوم ہوتا ہے۔ اس نے بڑی کٹی قمیص کھا کر کہا کہ نہ میں چور ہوں نہ جب کترا، نہ میں اٹھائی گیرا ہوں نہ خونی، میں تو اس شہر میں بہ حیثیت مسافر کے آیا ہوں اور بغداد کارہننے والا ہوں۔ پھر اپنے خواب اور اس خزانے کا واقعہ بیان کر دیا اور کوتوال کو بھی اس کی بات سچ معلوم ہوئی۔ اس کے قمیص کھانے سے سچائی کی خوشبو آئی۔ کوتوال نے کہا کہ بے شک تو نہ چور ہے نہ راہ زن بلکہ محض ایک خیال پر حرص و نادانی سے تو نے اتنا دُور دراز سفر اختیار کیا اب یہ سُن کر کہ تجھے تو بغداد میں مصر کا خزانہ نظر آیا اور میں نے اسی مصر میں کئی بار یہ خواب دیکھا کہ بغداد میں ایک پوشیدہ خزانہ ہے اور فلاں موضع اور فلاں کوچے میں دفینہ ہے اور کوچے اور مکان کا نام اسی خزانے کے نام پر ہے۔ بلکہ یہاں تک بھی بتایا گیا کہ مکان کے فلاں حصے میں دبا ہے جا اور نکال لے۔ اور عزیز میں نے اپنے جی میں کہا کہ خزانہ تو خود میرے گھر میں ہے مجھے وہاں جانے کی کیا محتاجی ہے میں اپنے خزانے پر بیٹھا ہوا ہوں اور محتاجی کے مارے مرا جاتا ہوں کیونکہ اپنے خزانے سے غافل اور خود چھپا ہوا ہوں۔

مسافر فقیر نے جو یہ خوش خبری سنی تو بے خود ہو گیا۔ اس کا سارا درد جاتا رہا اور اپنے جی میں کہا اس قدر لائیں کھانے پر نعمت کا ملنا موقوف تھا۔ میری دکان میں تو خود آبِ حیات موجود تھا۔ پھر کو تو ال سے کہا الحمد للہ عجیب و غریب دولت ہاتھ آئی وہ سب میرے دہم کا اندھا بن تھا کہ میں اپنے کو مفلس سمجھتا تھا۔ مگر چاہتے تم مجھے احق کہو چاہے عقلمند جو کچھ میرا دل چاہتا تھا وہ میں نے نہیں پایا۔

پھر وہ مصر سے بغداد کو سجد و رکوع کرتا اور حمد و ثنا پڑھتا واپس ہوا۔ وہ سارے راستے حیران اور اس تعجب سے بے خود رہا کہ دیکھو ہماری طلب کا راستہ کیا تھا اور روزی ہمیں کیا ملی۔ مجھے امیدوار کدھر کا بنایا تھا اور عنایت و انعام کدھر سے عطا ہوا۔ اس میں کیا حکمت تھی کہ اس کا بن مراد نے مجھے اپنے گھر سے خوشی خوشی غلط راستے پر نکلوایا۔ میں جلدی جلدی گمراہی کی طرف دوڑ رہا تھا اور ہر آن مقصدِ حقیقی سے جدا ہو رہا تھا۔ پھر اسی گمراہی کو خدا نے اپنے عینِ کرم سے ہدایت اور مقصود تک پہنچنے کا وسیلہ بنا دیا؛

(۵۶) مسخرے کی بیوی کا قاضی کو فریب دے کر اپنے گھر لے جانا

ایک مسخرہ اپنی مفلسی کو دیکھ کر بیوی سے مخاطب ہوتا اور کہتا کہ جب تمہارے پاس ہتھیار موجود ہیں تو جاؤ فرکار کر دو تاکہ ہم تمہارے شرکار کے تھنوں سے دودھ دوں۔ آخر اُس کی بیوی قاضی کے پاس یہ شکایت لے کر گئی کہ میں اس بد نیت شوہر سے بیزار ہوں۔ قاضی نے کہا کہ اس وقت ہمارے محلے میں بیٹھڑ بہت ہی، اس شکایت

کی سماعت کے لیے فرصت نہیں۔ اگر تو میرے مکان پر آئے تو میں اچھی طرح تیری شکایت سنوں گا اور اگر انصاف تیری طرف ہوگا تو اسے سزا دوں گا۔ تو سنجیدہ مت ہو۔ جب مجھے تیرا حال اچھی طرح معلوم ہو جائے گا تو تیرے شوہر کو خوب نرم کر دوں گا۔ عورت نے کہا کہ آپ کے گھر میں تو بڑے بھلے سب قسم کے لوگ اپنے اپنے قبضے لے کر آتے رہتے ہیں۔ اگر تکلیف نہ ہو تو کسی وقت میرے مکان پر تشریف لے آئیے۔ عورت کے مکر کی انتہا نہیں۔ وہ قاضی بھی ریکھ گیا اور شام کو اس کے مکان پر پہنچا۔ عورت نے دو شخصیں روشن کیں اور مزید اربابیں شروع کیں۔ قاضی اس نوازش سے اور بھی کھل پڑا۔ مکان بھی خالی تھا اور وہ خوش خوش عورت کے پہلو میں ہو بیٹھا اور اس نزدیکی سے اس کی جان خوش ہونے لگی۔ عین اس وقت مسخرے نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا فوراً قاضی گھبرا کر اٹھاتا کہ وہاں سے کھسک جائے۔ عورت نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ اگر اس بد بخت حاسد نے آپ کو یہاں سے جاتے دیکھا تو مجھ کو جان سے مار ڈالے گا اور آپ کو سخت رسوا کرے گا چھینے کی اور کوئی جگہ بھی نہ تھی ناچار عورت کے گھبرا دینے سے ایک بڑے سے خالی صندوق میں جا چھپا۔ وہ مسخرہ گھر میں آیا اور کہنے لگا، اری اور خزانہ! تو بہار و خزاں دونوں موسموں میں مجھ پر وبال جان ہے۔ میرے پاس کوئی چیز ہے جو تجھ پر قربان نہیں کی پھر بھی تو ہمیشہ شکایت کر کے میرے گناہ سمیٹتی رہتی ہے۔ ایک شخص نے مجھ سے کہا ہے کہ تو قاضی کے پاس گئی تھی اور بہت سی جھوٹی شکایتیں کیں مجھ بے گناہ پر تو نے زبان درازی کی حد کر دی ہے۔ کبھی تو مجھے مفلس بتاتی ہے اور کبھی دیوث کہتی ہے۔ اگر یہ عیب مجھ میں ہیں تو ایک خدا کی طرف سے ہے اور ایک تیری طرف سے ہے۔ سو اس صندوق کے میرے پاس اب کیا رکھا ہے۔ مگر لوگ جانتے ہیں کہ میں دولت مند ہوں اور اسی گمان کی بنا پر مجھ سے اپنا قرض طلب کرتے ہیں۔ اگرچہ صندوق ظاہر میں بہت خوبصورت ہے لیکن سامان اور سونے پانڈی سے بالکل خالی ہے لہذا کل اس صندوق کو

بازار میں لے جاؤں گا اور عین چوراہے پر اُس کو جلا دوں گا تاکہ ہر سلمان، عیسائی اور یہودی دیکھ لے کہ اس صندوق میں سوائے لعنت کے اور کچھ بھی نہ تھا۔ عورت نے کہا، ہائیں میاں خدا کے لیے ایسا نہ کرنا یہ کیا دیوانگی ہے۔ مسخرے نے قسم کھائی کہ میں تو ایسا ہی کروں گا۔ فوراً ایک رسی لے کر صندوق کو باندھ دیا اور خود انجان ہو گیا۔ صبح سویرے ایک مزدور کو لایا اور فوراً وہ صندوق اُس کی مٹھی پر لاد دیا۔ قاضی مارنے تکلیف اور خوف کے حمال کو پکارنے لگا۔ اس حمال نے ہر طرف دیکھا کہ یہ آواز کدھر سے آرہی ہے۔ یہ بلانے والا کوئی فرشتہ ہے یا کوئی پری کہ چھپ کر آواز دے رہی ہے جب یہی آواز بار بار آئی اور بڑھتی گئی تو آخر کار پہچاناکہ یہ آواز اور آہ وزاری اس صندوق کے اندر سے آرہی تھی، ہونہ ہو اس میں کوئی پوشیدہ ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل کی تو اتہا نہیں قاضی نے کہا کہ لے صندوق لے جانے والے خدا کے لیے محکمہ قضا میں میری خبر کر اور میرے نائب کو فوراً یہاں بلاتا کہ اس صندوق کو اشرفیاں لے کر خرید لے اور صندوق کو جوں کا توں ہمارے گھر پہنچائے۔ حمال نے ایک راہ گیر سے کہا کہ محکمہ قضا کو جاؤ اور نائب قاضی سے یہ واقعہ بیان کرو اور کہ دو کہ قاضی کی ڈونڈی اب پٹنے والی ہے۔ اپنے کام کو چھوڑ کر فوراً یہاں آؤ اور مسخرے سے اس صندوق کو بند کا بند خرید لو۔ راہ گیر گیا اور پیغام پہنچا دیا۔ ادھر مسخرے نے آگ سلگائی کہ اب صندوق کو جلا ڈالوں گا سب بازار عوام الناس میں ایک جوش و خروش پھیل گیا کہ کیا بات ہے کہ مسخرے نے یہ ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔ نائب قاضی آیا اور پوچھا کہ صندوق کی کیا قیمت ہے اُس نے کہا کہ نو سو سے زیادہ اشرفیاں دیتے ہیں میں ہزار سے نیچے نہیں اتروں گا۔ اگر منظور ہے تو لاؤ تھیلی کا منہ کھولو نائب نے کہا کہ اے شرم کر بھلا دیکھتے بھالتے اتنی بڑی رقم پر اس کو کون خریدتا ہے مسخرے نے کہا کہ بے دیکھے خریدنا ناجائز، ہماری فروخت چادر میں چھپی ہوئی ٹھیک نہیں۔ میں اسے کھول کر دکھاتا ہوں۔ اگر پسند نہ آئے تو نہ خریدو کہیں

ایسا نہ ہو کہ خریدنے کے بعد افسوس کرو۔ نائب نے کہا نہیں نہیں بس جانے دو میں اس کو بند ہی خرید لوں گا، تو میری بات مان، اشرفیوں کی کمی بیشی پر تکرار تو بہت ہوئی۔ مگر بہر حال نائب نے ہزار اشرفیاں دیں اور صندوق خرید لیا۔

ایک برس کے بعد مسخرہ پھر مفلس ہوا، بیوی سے کہا ہوشیار عورت! وہی چال پھر حل اور قاضی کے پاس جا کر میری شکایت کر؛ اب کے وہ عورت دوسری عورتوں کے ساتھ قاضی کے پاس پہنچی اور ایک دوسری عورت کو بیچ میں ڈال دیا تاکہ کہیں اس کی آواز قاضی پہنچان نہ لے اور اس کو اپنی گزشتہ مصیبت یاد نہ آجائے۔ عورتوں کا ناز و غمزہ تو فتنہ ہی لیکن عورت کی آواز سے وہ فتنہ سوگتا ہو جاتا ہے۔ اگر عورت آواز نہ نکال سکتی تو عورت کے پوشیدہ غمزے بے اثر رہتے قاضی نے شکایت سُن کر کہا کہ جا اپنے شوہر کو بلا لا تاکہ تیری شکایت اُس کے رُو بردار سماعت کروں۔ اب مسخرہ جو آیا تو فوراً قاضی نے پہچان لیا کیونکہ صندوق کے اندر سے اُس کی آواز بھی سن چکا تھا جو صندوق کی خرید و فروخت اور کمی بیشی کے متعلق ہو رہی تھی۔ قاضی نے پوچھا کہ اپنی عورت کا نفقہ کیوں نہیں دیتا۔ مسخرے نے کہا کہ احکام شرع کا جان سے غلام ہوں، لیکن اگر میں مر جاؤں تو کفن کو بھی پاس نہیں اس عورت کے چھٹکے پنچوں سے مفلس ہو گیا ہوں۔ اس بات سے قاضی اس کو اچھی طرح پہچان گیا اور اس کو اُس کا مرد فریب یاد آ گیا۔ قاضی نے کہا کہ وہ چھٹکے پنچے تو میرے ساتھ تو پہلے کھیل چکا ہے جا اب کہیں اور جا کر دانو لگا؛

۱۵۶) حق تعالیٰ کا عزرائیل سے خطاب کہ تجھے کس پر رحم آیا

حق تعالیٰ نے عزرائیل سے پوچھا کہ اے ہماری سنانی پہنچانے والے! سب مرنے والوں میں تجھے کس پر رحم آیا۔ عزرائیل نے عرض کی کہ سب پر میرا دل دکھتا ہے لیکن حکم سے سرتابی نہیں ہو سکتی، ورنہ میں تو عرض کرتا کہ جو انوں کے عوض خدا مجھے قربان کر دے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھے کس پر سب سے زیادہ رحم آیا اور کس کی موت پر تیرا دل زیادہ درد مند ہوا۔ عزرائیل نے عرض کی کہ ایک دن ایک کشتی کو جو تیز موج پر بہ رہی تھی میں نے تیرے حکم سے توڑ دیا اور وہ ریزہ ریزہ ہو گئی اس کے بعد تو نے حکم دیا کہ ان سب کی جان قبض کر اور صرف ایک عورت اور ایک بچے کو چھوڑ دے۔ چنانچہ وہ دونوں ایک تختے پر رہ گئے۔ موجیں اس تختے کو آگے بڑھاتی ہیں۔ جب ہوانے اس تختے کو کنارے لگا دیا تو ان دونوں کے بچ جانے سے میرا دل بہت خوش ہوا۔ پھر تو نے فرمایا کہ ماں کی روح قبض کر اور بچے کو تنہا چھوڑ دے جب میں نے اس بچے کو ماں سے جدا کیا ہے تو خود تو ہی جانتا ہے کہ مجھے کس قدر تکلیف ہوئی اس کے بعد میں نے کتنے سخت غم و ماتم دیکھے لیکن اس بچے کی تنہائی کا غم میں کبھی نہ بھول سکا۔ خدا نے فرمایا کہ میں نے اپنے فضل سے موج کو حکم دیا کہ اسے ایک گھنے جنگل میں ڈال دے۔ اس جنگل میں نہایت شفاف میٹھے پانی کے چشمے بہتے تھے۔ اسی جگہ میں نے اس بچے کو پرورش کیا۔ میں نے وہاں لاکھوں خوشنوا پرندے بھیجے جو ہر وقت چہچہاتے اور نئے نئے راگ لاتے رہتے تھے۔ میں نے چنبیلی کے پتوں میں اس کا بستر بنایا اور اس کو ہر قسم کے خوف و خطر سے محفوظ کر دیا۔ میں نے

آفتاب کو حکم دیا کہ اپنی چمچلاتی دھوپ سے اُسے نہ کاٹ اور ہوا کو فرمان دیا کہ اس پر سے آہستہ سے گزرے، بادل کو حکم دیا کہ اس پر مینہ نہ برسا اور بجلی کو تہدید کی کہ اس کو اپنی تیزی نہ دکھا۔ ایک مادہ بھیڑیے نے اُسی وقت بچے دیے تھے۔ میں نے اس کو حکم دیا کہ تو اس بچے کو بھی دودھ پلا۔ چنانچہ اُس نے دودھ پلایا اور اس کی دیکھ ریکھ بھی کی یہاں تک کہ وہ جوان موٹا تازہ اور بہادر ہو گیا۔ اس کو باوجودیکہ ایسی نگرانی اور حفاظت سے بلا امداد غیرے میں نے پرورش کیا اور وہ اس کا شکر بھی ادا کرتا تھا، لیکن آگے بڑھ کر وہی نخر و ذنکلا۔ اور اُس نے میرے خلیل کو آگ میں جھونکا۔ اب وہ کافر ہو کر لوگوں کو میری راہ سے پھیرتا ہے اور غرور اور خدائی کا دعویٰ کرتا ہے؛

تمت

❖ ❖ ❖

❖ ❖

❖

